ظفر علی خان کے زمیندار میں ذکرِ شبلی

زاہد منیر عامر

ABSTRACT:

Maulana Shibli Naumani (1857---1914) was a renowned scholar, critic and poet. He taught at Ali Garh College for a considerable time. During this tenure, Maulana Zafar Ali Khan (1873---1956) studied there. He was a bonafide student of Maulana Shibli Naumani. Shibli trained his students to serve their Nation with zeal and zest. Throughout his life, Zafar Ali Khan admired his teacher's contribution to his ideology and personality. When Maulana Shibli breathed his last in 1914 Zafar Ali Khan's *Zamindar*, a renowned newspaper of the Sub Continent, payed tributes to the departed soul. This article deals with their relations and discovers unfolded aspects of both great literary figures. Some rare articles appeared in *Zamindar* on the sad demise of Maulana Shibli Naumani are being reproduced here with editing and annotation.

مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۳ء......۱۹۵۶ء) اور مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء...... ۱۹۱۴ء) کا باہمی تعلق اور ربط ضبط محققین کا موضوع نہیں بن سکا جب کہ ماضی قریب کی ان دو عظمتوں کے درمیان باہمی اخلاص کا رشتہ اور قومی مقاصد میں ہم آہنگی اس قدر زیادہ ہے کہ اس حوالے سے جستجو، تحقیق کے نئے در وا کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ دونو شخصیات قومی زندگی کے عملی مطالبات پورے کرنے کے علاوہ قلم و قرطاس کی دنیا سے بھی وابستہ تھیں لہٰذا دونو کی ایک دوسرے کے بارے میں تحریریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے ظفر علی خان کے کیے ہوئے ترجمے معرکہ مذہب و سائنس پر ریویو لکھا جو الندوہ جلد ۷ شمارہ ۸ شعبان ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوا۔[۱] ظفر علی خان نے موازنہ انیس و دبیر کے خلاف لکھی گئی کتاب ردالموازنہ کا رد لکھا جو دکن ریویو کے اگست ۱۹۰۸ء کے شمارے میں شائع ہوا[۲] وغیرہ۔ باہمی ربط کی حرارت کا اندازہ لگانے کا ایک اور زاویہ بھی ہے جسے ہنوز منکشف نہیں کیا جا سکا، وہ یہ کہ ظفر علی خان کے اخبار زمیندار میں مولانا شبلی کا تذکرہ تلاش کیا جائے۔

زمیــنـدار کااجرا ۱۹۰۳ء میں ظفر علی خان کے والد مولوی سراج الدین احمد نے زمینداروں کی فلاح و بہبود کے لیے کیا تھا مولانا ظفر علی خان نے والد کی وفات کے بعد یکم جنوری ۱۹۱۰ء کو اس کی ادارت سنبھالی اور اگست ۱۹۱۰ء میں کرم آباد سے لاہور لے آئے۔ اگر زمیــنـدار کے فائل محفوظ ہوتے تو ان کی مدد سے اس عہد کی جیتی جاگتی زندہ تصویر پیش کی جا سکتی تھی لیکن افسوس کہ مرورِ زمانہ کے باعث زمیندار کے مکمل فائل محفوظ نہ رہ سکے یہاں وہاں اس کے منتشر شمارے بحال خراب باقی رہ گئے ہیں جن کی کیفیت اس تاریخی سرمائے سے ہماری بے اعتنائی اور بے نیازی کی شاہد عادل ہے۔ ظفر علی خان اور شبلی کے باہمی روابط کی تفصیل کے لیے زمیندار کا فائل ایک بنیاد کا کام دے سکتا تھا تاہم اس بنیاد کی عدم موجودگی میں ہم نے شبلی کی وفات کے زمانے میں زمیندار میں شائع ہونے والی تحریروں کی جستجو کی تو ہمیں خاصا مواد مل گیا چونکہ یہ مواد ہنوز مرتب ہو کر قارئین کے سامنے نہیں آیا اس لیے اسے صورت موجودہ میں محفوظ کیا جارہا ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا شبلی کی وفات پر زمیندار نے کس قدر اظہار غم بلکہ زمیندار کے الفاظ میں ''ماتم'' کیا اور کس طرح طویل عرصے تک ان کی یاد میں منظوم و منثور تحریریں شائع ہوتی رہیں۔

زمیــنـدار میں شبلی نعمانی کی یاد میں چھپنے والی تحریریں نایاب اور غیر مدون ہیں اور اس کتاب کے ذریعے خوانندگان کرام کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں لیکن یہ دعوی نہیں کیا جا سکتا کہ ان اوراق میں شبلی کی وفات پر زمیندار میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ ایسا کرنا ممکن ہی نہیں رہا ہے اور اس کا سبب سطورِ گزشتہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اب زمیندار کا سارا ریکارڈ موجود ہی نہیں ہے جس کی مدد سے مولانا کی وفات پر شائع ہونے والی تمام تحریریں دریافت کی جا سکیں۔ تاہم جو کچھ دریافت کرنا ممکن تھا وہ نذرِ قارئین ہے۔ اس کی پیش کش بھی خاصی دشوار ثابت ہوئی اس لیے کہ زمیــنـدار اپنے زمانے میں نہایت رڈی اخباری کاغذ پر لیتھو طریقِ طباعت میں شائع ہوتا تھا جس کی وجہ سے اب اس کے جو شمارے اچھی حالت میں بھی موجود ہیں ان کا حال بھی خاصا سقیم ہے اور پھر جو شمارے میسر ہیں ان کی جلدیں خاصی بے توجہی سے بنائی گئی ہیں جس کے باعث تجلید میں اخبار کا خاصا حصہ دب کر رہ گیا ہے اور سلائی میں آجانے والی سطور کی خواندگی ممکن نہیں رہی ہے۔

مولانا ظفر علی خان ۱۹۱۴ء میں انگلستان میں تھے یہاں ایک سالہ قیام کے بعد وہ ۲۰ر ستمبر ۱۹۱۴ء کو وطن واپس پہنچے لیکن یہاں پہنچنے پر ڈپٹی کمشنر نے انھیں ملاقات کے لیے بلایا، ظفر علی خان ملاقات کے لیے پہنچے تو انھیں نظر بندی کا حکم دکھایا گیا اور اسی وقت گاڑی میں بٹھا کر شاہدرہ پہنچا دیا گیا جہاں سے ٹرین کے ذریعے انھیں وزیر آباد، اور وزیر آباد سے موٹر کے ذریعے کرم آباد پہنچا دیا گیا۔ ۷ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کو انھیں کرم آباد میں نظر بند کر دیا گیا جس پر زمیندار نے ''با دوستان تلطف با دشمنان مدارا'' کے زیر عنوان اداریے میں لکھا'' ۷ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کا دن وہ دن تھا جب گورنمنٹ پنجاب کے حکم پر مولوی ظفر علی خان بی اے مالک اخبار زمیــــنــــدار ایک طرح دنیا سے بے تعلق ہو کر کرم آباد میں عزلت نشین ہونے کے لیے مجبور کیے گئے[۳] نظر بندی کی مدت معین نہیں تھی اور اس دوران ظفر علی خان کے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر پابندی عاید

کر دی گئی۔ ظفر علی خان کو نظر بند کیے جانے کے بعد زمیندار کا چراغ گل کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔ ۱۸؍ستمبر ۱۹۱۳ء کو زمیندار کی دو ہزار کی ضمانت ضبط کر کے مزید دس ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی گئی تھی، اس نظر بندی کے دوران یہ ضمانت بھی ضبط کر لی گئی اور بیس ہزار روپے کے مچلکے اور بیس ہزار روپے کی ضمانت (کل چالیس ہزار روپے) مزید طلب کیے گئے۔[۴] زمیـــــنـــــدار کا مطبع بھی ضبط کر لیا گیا اور ۲۰؍ستمبر ۱۹۱۴ء حکام اس کی کلیں پرزے اور پتھر بیل گاڑیوں اور چھکڑوں پر لاد کر گورنمنٹ پریس اور سنٹرل جیل رستم پریس لے گئے۔ زمیــنــدار نے ہر چند کہ اپنے مطبع کے بچاؤ کے لیے ہر ممکن تدبیر کی لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ زمیندار میں اس ضبطی کی اطلاع دیتے ہوئے یہ شعر درج کیا گیا ۔

کونسی کی نہ دوا ، کونسی مانگی نہ دعا
ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے سنبھلنے کے لیے [۵]

زمیــنــدار پہلے تو چار پانچ ماہ تک ایک ہندو کارخانہ دار کے سیوک سٹیم پریس سے چھپتا رہا پھر اس نے مسلم پرنٹنگ پریس کے نام سے اشاعت کا الگ آغاز کر لیا، گویا زمیــنــدار یہ وار بھی سہ گیا لیکن ظفر علی خان کے لیے زمیــنــدار کو شجر ممنوعہ قرار دے دیا گیا اب وہ زمیــنــدار کے مدیر نہیں محض مالک رہ گئے اور زمیـــنـــدار کی پیشانی پر بجائے ادارت کے ظفر علی خان کی ملکیت کا اندراج کیا جاتا رہا (مثلاً ہمارے پیشِ نظر ۲۳ اور ۲۵؍نومبر ۱۹۱۴ء کے شمارے ہیں جن کی پیشانی پر ''مالک ظفر علی خان'' کے الفاظ درج ہیں۔ ۱۱؍مارچ ۱۹۱۵ء کو یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور یہ ملکیت بھی بیگم ظفر علی خان کے نام منتقل کر دی گئی (مثالاً ۱۹؍مئی اور جون ۱۹۱۵ء کے شمارے جن کی پیشانی پر مالک بیگم صاحبہ مولوی ظفر علی خاں'' کے الفاظ مندرج ہیں) یہ سلسلہ بھی اواخر ۱۹۱۵ء تک جاری رہ سکا بالآخر عارضی طور پر ہی سہی لیکن زمیندار کا چراغ گل ہو گیا۔

مولانا شبلی نعمانی کا انتقال ۱۸؍نومبر ۱۹۱۴ء / ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو ہوا یہ وہی زمانہ ہے جب ظفر علی خان نظر بند تھے اور ان کی اخبار نویسی پر پابندی عاید تھی اس لیے زمیـــنـــدار میں ہمیں ظفر علی خان کی تحریریں دکھائی نہیں دیتیں تاہم شبلی سے ظفر علی خان کے تلمذ اور ان سے عقیدت و محبت ایسی نہ تھی کہ یہ اعذار زمیندار کو ذکر شبلی سے تہی کر دیتے، مولانا شبلی کی وفات پر زمیندار نے اعتراف عظمت کا بھرپور مظاہرہ کیا اور دیر تک مولانا شبلی کی یاد میں خبروں، مضامین اور منظومات کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔ شبلی کی وفات کے زمانے میں زمیندار میں شائع ہونے والی تحریروں پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ بتانا نہایت ضروری ہے کہ ۱۹۱۱ء میں زمیـــــنـــــدار کے ادارتی صفحے پر ادارتی نوٹ کے طور پر ایک مراسلہ شائع کیا گیا تھا۔ ''حضور سرور کون و مکاں کی سوانح عمری کی ضرورت...... قابل توجہ علامہ شبلی نعمانی'' کے زیرِ عنوان شائع کیے جانے والے مراسلے میں اس امر کی جانب توجہ مبذول کروئی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں مصادر عربی زبان میں ہیں عام اردو دان ان سے استفادہ نہیں کر سکتا اردو پڑھنے والوں کے لیے اردو زبان میں سیرت لکھی جائے، تجویز کنندہ کے مطابق ہندوستان کے بغداد یا کیمبرج کی مجلس ندوۃ العلما

لکھنو اس کام کی اہل ہے اور خاص طور سے اس کے بانی مبانی اور روح رواں اس کام کی سب سے زیادہ اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ کہہ کر مولانا شبلی کا تعارف کروایا گیا ہے اور ان کے علمی کمالات وخدمات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ''مولانا مولوی شبلی صاحب نعمانی سلمہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک لکھنے کے واسطے ہندوستان کی بلکہ میری رائے میں تمام دنیا کے علما وفضلا سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں، پس صاحب ممدوح کی خدمت میں باادب درخواست کی جاتی ہے کہ یہ مبارک کام اپنے ہاتھ میں لیں، چونکہ یہ ایک نہایت ضروری درخواست ہے اس واسطے امید کی جاتی ہے کہ مولانا موصوف ضرور منظور فرمائیں گے'' [6]

ایسا معلوم ہتا ہے کہ کچھ اور حلقوں کی جانب سے بھی اس نوع کا مطالبہ کیا جارہا تھا چنانچہ مولانا شبلی نعمانی نے زمیندار ہی میں اس فرمائش کے جواب میں ایک مضمون لکھا، یہ مضمون زمیندار کے ''پیمبر نمبر'' میں جو یکم مارچ ۱۹۱۲ء کو ''ایک مبسوط اور مستند سیرت نبویؐ کی ضرورت علامہ شبلی نعمانی کے قلم اعجاز رقم سے'' کے زیر عنوان شائع ہوا مولانا شبلی نے اس مضمون میں جہاں محولہ بالا فرمائش کا ذکر کیا وہاں اس راہ کی مشکلات کا بھی تذکرہ کیا اور لکھا کہ قوم اگر اس درجے میں سیرت کی ضرورت محسوس کرتی ہے تو پھر اسے ان مشکلات پر قابو پانے میں مصنف، وہ جو کوئی بھی ہو، کی مدد کرنا ہوگی انھوں نے، لکھا:

> ''ملک نے مجھ کو پرائیویٹ طور پر اور اخبارات کے ذریعہ سے بارہا اس ضرورت کی یاد دلائی ہے۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ میں کسی حد تک اس کام کو انجام دے سکتا ہوں لیکن مجھ کو یہ بات ظاہر کردینی ضروری ہے کہ لوگ سیرت نبوی کی مشکلات کا اندازہ نہیں کرتے'' [7]

اس کے بعد انھوں نے اس راہ کی مشکلات کا تفصیل سے ذکر کیا ان مشکلات کی تفصیل سے پہلے انھوں نے یہ بھی لکھا کہ عامۃ الناس کے نزدیک یہ ایک آسان کام ہے اور ''لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عربی زبان میں آنحضرتؐ کی بہت سی سوانح عمریاں اور عام تاریخیں موجود ہیں ان کو بہ آسانی اُردو زبان میں منتقل کردیا جاسکتا ہے، صرف اس بات کی ضرورت ہوگی کہ واقعات کی ترتیب اور استنباط نتائج میں مذاقِ حال کا لحاظ رکھا جائے''، شبلی نے اس غلط فہمی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ''اس غلطی کو میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ دکھانا چاہتا ہوں جس سے یہ مقصود ہے کہ یا تو قوم اپنی ذمہ داریوں کا صحیح احساس کرلے گی اور اس کا سامان کرے گی یا میں اس الزام سے بچ جاؤں گا کہ اس قدر اہم اور ضروری کام چھوڑ کر میں شعر العجم وغیرہ تفریحی کاموں میں اوقات ضائع کررہا ہوں'' [8]

مشکلات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد انھوں نے یہ بھی لکھا کہ محض ان مشکلات پر قابو پالینے سے مسائل حل نہیں ہوجائیں گے بلکہ اس کے ساتھ بعض غیر ملکی زبانوں میں سامنے آنے والی تحقیقات کا بھی

جائزہ لیناہو گا، یہ جائزہ لینے کے لیے ان زبانوں کے جاننے والوں کی ایک ٹیم درکار ہو گی انھوں نے تحریر فرمایا:

''لیکن ان سب مشکلوں کے حل کرنے پر بھی مشکلات کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ جرمن۔ فرنچ اور انگریزی زبان میں آنحضرتؐ کی بہت سے سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں۔ ان میں واقعات کے متعلق جس قدر غلطیاں ہیں ان سے زیادہ واقعات سے نتائج استنباط میں ہیں ان دوہری غلطیوں کا یہ نتیجہ [ہے] کہ ان تصنیفات نے اسلام کی نہایت بدنما تصویر کھینچی ہے۔ اس لیے جب تک ان تصنیفات پر عبور نہ ہو اور ان کی غلطیوں اور اعتراضوں کا حفظ ماتقدم نہ کیا جائے۔ سیرت نبوی جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بہت کم مفید ہو گی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ کم سے کم تمام انگریزی تصنیفات (متعلق سیرت نبویؐ و قرآن مجید) مہیا کی جائیں اور وسیع اسٹاف مقرر کیا جائے جو ان کتابوں کے ضروری مقامات کا ترجمہ کرے، یہ سب سامان مہیا ہو تو اردو زبان میں ایک مبسوط اور مستند سیرت نبوی لکھی جا سکتی ہے۔ قوم اور ملک کی تشنہ لبی اگر اسی حد تک ہے کہ ایسے بڑے پین (خاکہ) کی صورت دیکھ کر ڈر جائے تو اس خواہش کے اظہار کی ضرورت نہیں اور اگر قوم اس سامان کے مہیا کرنے پر آمادہ ہے تو شبلی یا شبلی نہ سہی اور بہت سے لوگ نکل آئیں گے جو اس کام کو انجام دے دیں گے۔'' [۹]

اگرچہ سیرت کے ساتھ شبلی کا تعلق قدیم سے تھا جس کا اظہار ان کی بعض تحریریں کرتی ہیں لیکن وہ عظیم الشان منصوبہ جس نے سیرت نگاری کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا اور جس کے بعد لکھی جانے والی سیرت کی کوئی کتاب اس منصوبے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی ۱۹۱۲ء کے شروع میں ظاہر ہوا۔ مولانا شبلی کے شاگردِ رشید اور ان کے سوانح نگار مولانا سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''۱۹۱۲ء کے شروع میں ان کے ارادہ نے عزم کی صورت اختیار کر لی چنانچہ محرم ۱۳۳۰ھ مطابق جنوری ۱۹۱۲ء میں انھوں نے اپنے اس عزم کا اعلان کر دیا''[۱۰] اس وقت زمیندار میں شائع ہونے والی استدعا پر ایک برس گزر چکا تھا۔ شبلی کا یہ اعلان رسالہ الندوہ میں شائع ہوا جس میں انھوں نے لکھا کہ ''قوم کی طرف سے ایک مدت سے تقاضا ہے کہ میں سب کام چھوڑ کر سیرت نبوی کی تالیف میں مصروف ہو جاؤں خود میں بھی اپنی پہلی رائے سے رجوع کر چکا ہوں اور اس شدید ضرورت کو تسلیم کرتا ہوں'' [۱۱] اس طرح گویا زمیندار کی آواز بھی ان آوازوں میں شامل تھی جنھوں نے شبلی کو سب کام چھوڑ کر سیرت نبوی کی تالیف میں مصروف ہو جانے پر آمادہ کیا۔

اب ہم اپنے عنوان کی طرف واپس آتے ہیں۔ شبلی کی وفات پر زمیندار میں شائع ہونے والی

تحریروں کا تین حصوں میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اولاً مولانا شبلی کی وفات اور تعزیت کے حوالے سے شائع ہونے والی اطلاعات۔

ثانیاً مضامین: جن میں مولانا شبلی کے کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی گوناگوں علمی خدمات پر انھیں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔

ثالثاً منظومات: اردو اور فارسی زبان میں کہی جانے والی وہ نظمیں جن میں اس عہد کے اہم شعرا کے جذبات نے اپنے اظہار کے لیے پیرایہ شعر اختیار کیا ہے۔

آئندہ اوراق میں ان تین میں سے ایک یعنی مولانا شبلی کے حوالے سے زمیندار میں شائع ہونے والے مضامین پیش کیے جا رہے ہیں۔ زمیندار کے فائل مکمل نہ ہونے کے باعث ظاہر ہے کہ یہ اس موضوع پر شائع ہونے والے تمام مضامین نہیں ہیں۔ زمیندار کے جن شماروں سے یہ مضامین لیے گئے ہیں چونکہ وہ بعض صورتوں میں مکمل اور بعض صورتوں میں نامکمل ہیں اس لیے حواشی میں ایک ہی اخبار ہونے کے باوصف زمیندار کے حوالوں کا اندراج مختلف صورتوں میں دکھائی دے گا۔ زمیندار کا جو شمارہ اپنی مکمل صورت میں ملا اس کا حوالہ لوح پر درج تفصیلات کے ساتھ دیا گیا اور جس شمارے کا صفحہ اوّل یا دیگر صفحات غائب پائے گئے اس کا حوالہ موجود معلومات تک محدود رہا ہے۔

حضورؐ سرورِ کون و مکان کی سوانح عمری کی ضرورت

(قابلِ توجہ علامہ شبلی نعمانی)

خداوند تعالیٰ نے دوسرا خدا نہ پیدا کیا ہے اور نہ کبھی ہوا کرے گا کیونکہ یہ امر اس کی شانِ یکتائی اور صفتِ احدیت کے خلاف ہے، ہاں اس نے ایک انسانِ کامل اپنی صفات کمالیہ کا نمونہ بنا کر پیدا کیا ہے اور جس طرح ایک مصفا اور وسیع شیشہ میں صاحب رویت کی تمام و کمال شکل منعکس ہو جاتی ہے، اسی طرح اس انسانِ کامل میں صفات الٰہی عکسی طور پر آ گئی ہیں۔ اس انتہائی کمال کے وجودِ باجود کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں مظہرِ تامِ الوہیت قرار دیا گیا ہے۔

وہ انسانِ کامل کون ہے؟ جس کی بشارتیں کتبِ الہامی میں موجود ہیں جس کی شان میں لولاک اور قاب قوسین ہے جو آفتابِ روحانی ہے جس سے نقطہ ارتقاع کا پورا ہوا اور جو دیوارِ نبوت کی آخری اینٹ ہے یعنی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا ہے۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ [۱۲] یعنی اے نبی تو ایک خلق عظیم پر مخلوق و مفطور رہے اور اپنی ذات میں تمام مکارمِ اخلاق کا ایسا متمم و مکمل ہے کہ اس پر زیادتی متصوّر نہیں کیونکہ محاورۂ عرب میں عظیم اس چیز کی صفت میں بولا جاتا ہے جس کو نوعی کمال پورا حاصل ہو بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ عظیم وہ چیز ہے جس کی عظمت اس حد تک پہنچ جائے جو حیطۂ ادراک سے

باہر ہو۔

قرآن مجید میں ہے لَقَدُ کَانَ لَکُمُ فِیُ رَسُولِ اللّٰہِ اُسُوَۃٌ حَسَنَۃٌ [۱۳] تمھارے لیے پیروی کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ موجود تھا۔ اخلاق اور اللہ سے متخلق ہونے کے بھی یہی معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کا تتبع کیا جائے کیونکہ آپ خلقِ عظیم پر مخلوق ہیں اور آپ کا وجود باجود غیر مجسم اور مقربین سے اعلیٰ وا کمل اور الوہیت کا مظہر اتم ہے، یہ جو کہا گیا ہے کہ ۔

حسنِ یوسف ، یدِ موسیٰ ، دمِ عیسیٰ داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری [۱۴]

یہ کوئی مبالغہ نہیں کیونکہ دیگر انبیا علیہم السلام صفاتِ کمالیہ میں سے خاص خاص صفتوں کے مظہر تھے۔ کوئی عفت میں ممتاز تھا، کوئی شجاعت میں، کوئی جاہ و حشمت میں، کوئی صبر و رضا میں اور کوئی انقطاع علی اللہ میں۔ لیکن وہ تمام اخلاقِ فاضلہ جو حقیقتِ انسانیہ ہے مثلاً عقل و ذکا، سرعتِ فہم، صفائیِ ذہن، حسن تحفظ، حسن تذکر، عفت، حیا، صبر، قناعت، زہد تورع جوانمردی استقلال، عدل، امانت، صدق، سخاوت، ایثار، کرم، مروت، شجاعت، علوہمت، حلم، تحمل، حمیت، تواضع، ادب، شفقت، رافت، رحمت، خوف الٰہی، محبت الٰہی، امن باللہ، انقطاع الی اللہ۔ ان سب اوصاف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کمال حاصل تھا جو حیطۂ ادراک سے باہر ہے۔

مسلمانوں کا اخلاقِ فاضلہ سیکھنے کے واسطے قرآن مجید کا جاننا ضروری ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات سے واقفیت بہم پہنچانا بھی ضروری ہے کہ وہ اخلاقِ فاضلہ کس طرح ظہور میں آئے۔ جو احکام قرآن مجید میں موجود ہیں ان کی تعمیل کر کے آپ نے عملی نمونہ بتا دیا ہے کہ احکامِ باری تعالیٰ کی تعمیل اس طرح کرنی چاہیے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے آپ کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ کان خلقہ القرآن [۱۵] یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی کے حالات کا جاننا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی بھی ایک عجیب زندگی ہے، جس میں انسانی زندگی کے مختلف حالتوں کے تمام واقعات پائے جاتے ہیں۔ طفولیت میں آپ نے یتیمی اور بے کسی کی حالت میں پرورش پائی، شباب میں ملک و قوم کے رسم و رواج سے بیزار ہو کر تجرد اختیار کیا۔ کبھی ایک گماشتہ [۱۶] کی حیثیت میں تجارت کی اور پھر خود شاہ بن گئے۔ عیالداری کے حقوق ایسے ادا کیے کہ اس سے بہتر کسی کے خیال میں نہیں آ سکتے۔ ایک سولجر بن کو فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور آئینِ جنگ میں وہ مہارتِ نامہ دکھائی کہ آج اس ترقی و تہذیب کے زمانہ میں ان ہی آئین و اصول کی پیروی کی جاتی ہے۔ ایک بادشاہ بن کر ملک گیری اور ملکداری میں کمال دکھلایا۔ کبھی دشمنوں کے نرغہ میں پھنسے پھر انھی دشمنوں پر قابو پا کر ان کے قصور معاف کرنے سے اپنے رحمۃ اللعالمین ہونے کا ثبوت دیا۔ اور سب سے بڑھ کر فرائض کو نہایت خوش

اسلوبی سے سر انجام دیا جو ان کامیابیوں سے ثابت ہوتا ہے جو حضورؐ کو اپنی حینِ حیات میں حاصل ہوئیں جن کی نظیر کسی اور نبی میں نہیں پائی جاتی۔

یہ سب حالات حدیث، سیر اور اسلامی تاریخ کی کتابوں میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ درج ہیں اور یہ سب کتابیں عربی میں ہیں۔ وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں جو ان کتابوں کے مطالعہ سے حظِ وافر اٹھاتے ہیں لیکن جو لوگ اس کوچہ سے نابلد ہیں ان کی رہ نمائی کے واسطے ضروری ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم زبانِ اردو میں لکھی جائے اب سوال یہ ہے کہ یہ مہتم بالشان کام کون کرے؟ خدا کے فضل سے اس گئے گزرے زمانہ میں بھی ہمارے بزرگ اور محترم علما و فضلا میں کئی ایسے موجود ہیں جو اس قسم کی کتاب بڑی خوبی کے ساتھ لکھ سکتے ہیں۔ پس ہم کو ہندوستان کے بغداد یا کیمبرج کی مجلس ندوۃ العلما کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس کے بانی مبانی اور روح وروان اس کام کی اہلیت سب سے بہتر رکھتے ہیں۔ وہ کون، جنھوں نے سیرۃ النعمان لکھ کر فقہ کے حقائق ودقایق بیان کیے۔ جنھوں نے الفاروق و المامون لکھ کر زمانہ کو بتایا کہ ہیروز آف اسلام کی سوانح لکھنے کا یہ حق ہے۔ جنھوں نے الکلام، علم الکلام اور الغزالی لکھ کر بتا دیا کہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے متکلم ہیں۔ جنھوں نے سوانح مولانا رومؒ لکھ کر ثابت کر دیا کہ وہ تصوف میں بھی مہارتِ نامہ رکھتے ہیں اور جنھوں نے عربی زبان کا نصاب تعلیم ریوائز کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب و ایران مصر و روم اور کویت تک ہندوستان کے بغداد کو مشہور و معروف کر دیا۔ کون شخص ہے جو مسلمان ہو کر ان کے نام نامی سے ناواقف ہو سکتا ہے؟ مولانا مولوی شبلی صاحب نعمانی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک لکھنے کے واسطے ہندوستان کی بلکہ میری رائے میں تمام دنیا کے علما و فضلا سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ پس صاحب ممدوح کی خدمت میں بہ ادب درخواست کی جاتی ہے کہ یہ مبارک کام اپنے ہاتھ میں لیں۔ چونکہ یہ ایک نہایت ضروری درخواست ہے اس واسطے امید کی جاتی ہے کہ مولانا موصوف ضرور منظور فرمائیں گے۔ ایڈیٹر صاحب اخبار زمیـــنــــدار کی خدمت میں التماس ہے کہ یہ درخواست اپنے اخبار میں چھاپ کر مولوی صاحب کی خدمت پہنچائیں گے۔

نور الدین تاجر چرم، گوجرانوالہ [۱۷]

....

ایک مبسوط اور مستند سیرت نبوی کی ضرورت
(علامہ شبلی نعمانی کے قلم اعجاز رقم سے)

میں اس بات سے ناواقف نہیں کہ آج کل مسلمانوں کی مذہبی اور قومی ضرورتوں کی فہرست میں سیرت نبویؐ کا عنوان سب سے بالاتر ہے۔ مجھ کو اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ملک نے مجھ کو پرائیویٹ طور پر اور اخبارات کے ذریعہ سے بارہا اس ضرورت کی یاد دلائی ہے۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ میں کسی حد

تک اس کام کو انجام دے سکتا ہوں لیکن مجھ کو یہ بات ظاہر کر دینی ضروری ہے کہ لوگ سیرت نبوی کی مشکلات کا اندازہ نہیں کرتے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عربی زبان میں آنحضرتؐ کی بہت سی سوانح عمریاں اور عام تاریخیں موجود ہیں ان کو بہ آسانی اُردو زبان میں منتقل کر دیا جاسکتا ہے، صرف اس بات کی ضرورت ہو گی کہ واقعات کی ترتیب اور استنباط نتائج میں مذاقِ حال کا لحاظ رکھا جائے۔

اس غلطی کو میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ دکھانا چاہتا ہوں جس سے یہ مقصود ہے کہ یا تو قوم اپنی ذمہ داریوں کا صحیح احساس کر لے گی اور اس کا سامان کرے گی یا میں اس الزام سے بچ جاؤں گا کہ اس قدر اہم اور ضروری کام چھوڑ کر میں شعر العجم وغیرہ تفریحی کاموں میں اوقات ضائع کر رہا ہوں۔ مشکلات حسب ذیل ہیں:

(۱) آنحضرتؐ کے حالات، سلاطین اور امرا کے حالات کی طرح تاریخ نویسی کے عام مذاق کے موافق نہیں لکھے جاسکتے۔ ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ آنحضرتؐ کے متعلق ایک واقعہ بھی صحت کے اعلیٰ معیار سے ذرا بھی گر جائے تو سخت جرم ہے۔ اس لیے نہایت تحقیق، تنقید، حزم واحتیاط سے کام لینا ہے۔ عربی میں جو تاریخیں نہایت مستند خیال کی جاتی ہیں مثلاً کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابوالفداء وغیرہ یہ خود مستقبل کتابیں نہیں ہیں بلکہ ۳۰۲ھ تک کے واقعات کے لحاظ سے یہ سب کی سب تاریخ طبری سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے واقعات کی صحت کی جب بحث پیش آئے تو ان کتابوں کے معتبر اور نامعتبر ہونے کی حیثیت بالکل بیکار ہو جاتی ہے بلکہ یہ دیکھنا پڑھا ہے کہ ان کی ماخذ یعنی تاریخ طبری کی کیا حالت ہے۔ طبری اپنی ذات سے نہایت ثقہ شخص ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ خود عہدِ نبوت میں موجود نہ تھا اس لیے اس نے تمام واقعات، راویوں کے ذریعہ سے لیے ہیں اور یہ دیانت برتی ہے کہ سلسلۂ سند کے تمام راویوں کے نام لکھ دیے ہیں لیکن ان میں سے اکثر راویوں کا حال اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں ملتا جس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین نے زیادہ تر انھی راویوں کے حالات اسماء الرجال میں لکھے جنھوں نے حدیثیں روایت کی تھی۔ تاریخی راویوں کے حالات کے ساتھ ان کو چنداں احتیاج نہ تھی۔ اس بنا پر کثرت سے نایاب اور نادر الوجود کتابیں بہم پہنچائی ہوں گی جن سے ان راویوں کا پتہ لگ سکے اور اس کی بنا پر ان کی روایتوں کے معتبر اور نامعتبر ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

اس تنقید اور چھان بین کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ طبری میں سینکڑوں ایسے واقعات موجود ہیں جن کا غلط ہونا قطعاً معلوم ہے، اس لیے جب تک اس کی ایک ایک روایت کو اصولِ فن کے مطابق جانچ نہ لیا جائے سیرت نبوی میں وہ داخل نہیں کی جاسکتیں۔

طبری کے علاوہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی سوانح عمریاں لکھی، وہ ابن اسحاق اور واقدی ہیں لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونوں ضعیف ہیں، سر ولیم میور نے اپنے کتاب کی زیادہ تر بنیاد واقدی اور ابنِ ہشام پر رکھی ہے۔ اور اس بنا پر ان کو آنحضرتؐ پر نکتہ چینی کے موقعے ملے ہیں لیکن ان کو یہ معلوم

نہیں کہ واقدی اور ابن ہشام سند کے لحاظ سے بالکل غیر معتبر ہیں۔

موسیٰ بن عقبہ نے آنحضرت کی خاص غزوات پر ایک کتاب لکھی ہے اور وہ سب سے قدیم تصنیف ہے یعنی مصنف صحابہ کے زمانہ میں موجود تھا لیکن ہم کو جہاں تک معلوم ہے۔ تمام ہندوستان میں یہ کتاب موجود نہیں، مصر میں خدیو کے کتب خانہ میں ایک نسخہ موجود ہے، وہاں سے نقل لینے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ امام بخاریؒ کی تاریخ کبیر نہایت معتبر کتاب ہے لیکن اولاً تو نہایت مختصر ہے دوسرے ہندوستان میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔

قسطنطنیہ میں اس کا ایک نسخہ جامع ایاصوفیہ میں موجود ہے اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی نقل کا انتظام ہو سکتا ہے۔

اس سلسلہ کے علاوہ جو کتابیں ہیں مثلاً مواہب لدنیہ، دلائل النبوہ، سیرت مغطلائی، کشف الشام، سیرت بن سید الناس وغیرہ وغیرہ یہ سب زمانہ مابعد کی ہیں اور ان کی روایتیں تحقیق اور تنقید کی سخت محتاج ہیں۔ [۱۸]

(۲) حدیث کی کتابیں اگرچہ عبادات و معاملات کے مسائل جاننے کی غرض سے تصنیف کی گئیں لیکن ضمناً ان میں آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی اور معاشرت کے متعلق ہزاروں واقعات ملتے ہیں لیکن چونکہ ان کتابوں کی ترتیب تاریخی انداز پر نہیں ہے اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ حدیث کی تمام کتابیں بہم پہنچائی جائیں اور ان کو اس طرح احتیاط کے ساتھ دیکھا جائے کہ جہاں اس قسم کی کوئی بات ہے نوٹ کر لی جائے پھر ان کو موقع بہ موقع مناسب ترتیب کے ساتھ درج کیا جائے۔ حدیث کی کتابوں میں سے بخاری اور مسلم تنقید کی محتاج نہیں، باقی کتابوں میں محدثانہ تنقید کی ضرورت ہے جس کے لیے وسیع کتب خانہ اور متعدد ایسے اشخاص درکار ہیں جو فن حدیث میں مہارت رکھتے ہوں۔

(۳) جو کتابیں خاص صحابہؓ کے حالات میں لکھی گئیں مثلاً طبقات ابن سعد جو آٹھ جلدوں میں ہے اور استیعاب، اسد الغابۃ، العابہ اکمال بن ماکولا۔ ان میں ضمناً آنحضرتؐ کے بہت سے واقعات آجاتے ہیں ان سے بہت مدد مل سکتی ہے لیکن ان میں بھی تنقید کی بہت حاجت ہے۔ یہ کتابیں اکثر ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ اور ابن سعد زیادہ تر واقدی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ بھی مشکل ہے کہ ان میں سے بعض اہم کتابیں مثلاً اکمال بن ماکولا کا نسخہ مصر سے نقل کرا کر منگوانا پڑے گا۔

لیکن ان سب مشکلوں کے حل کرنے پر بھی مشکلات کا خاتمہ نہیں ہوتا جرمن، فرینچ اور انگریزی زبان میں آنحضرتؐ کی بہت سے سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں۔ ان میں واقعات کے متعلق جس قدر غلطیاں ہیں ان سے زیادہ واقعات سے نتائج استنباط میں ہیں ان دوہری غلطیوں کا یہ نتیجہ کہ ان تصنیفات نے اسلام کی نہایت بدنما تصویر کھینچی ہے۔ اس لیے جب تک ان تصنیفات پر عبور نہ ہو اور ان کی غلطیوں اور اعتراضوں کا حفظ ماتقدم نہ کیا جائے، سیرتِ نبوی جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بہت کم مفید ہو گی۔ اس لیے ضرورت

ہے کہ کم سے کم تمام انگریزی تصنیفات (متعلق سیرت نبوی و قرآن مجید) مہیا کی جائیں اور وسیع اسٹاف مقرر کیا جائے جو ان کتابوں کے ضروری مقامات کا ترجمہ کرے۔ یہ سب سامان مہیا ہو تو اردو زبان میں ایک مبسوط اور مستند سیرت نبوی لکھی جا سکتی ہے۔ قوم اور ملک کی تشنہ لبی اگر اسی حد تک ہے کہ ایسے بڑے پین (خاکہ) کی صورت دیکھ کر ڈر جائے تو اس خواہش کے اظہار کی ضرورت نہیں اور اگر قوم اس سامان کے مہیا کرنے پر آمادہ ہے تو شبلی یا شبلی نہ سہی اور بہت سے لوگ نکل آئیں گے جو اس کام کو انجام دے دیں گے۔ [۱۹]

....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آفتاب علم غروب ہو گیا

شمس العلما شبلی نعمانی انار اللہ برہانہ

خوش درخشید ولی دولت مستعجل بود

ذیل کا مضمون روزنامہ زمیندار میں دو اقساط میں شائع ہوانے والا تعزیتی اداریہ ہے جو مولانا شبلی کی وفات کے بعد ۲۳ اور ۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء کو زمیندار کے ادارتی صفحات پر شائع ہوا۔ یہ اس وقت کے مدیر زمیندار کی تحریر ہے جو بہ گمان غالب علامہ عبداللہ عمادی تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے رسالہ کریسنٹ نے اپنے شبلی نمبر میں یہ تحریر مکرر شائع کی۔ [۲۰] کریسنٹ کا مآخذ احسن مارہروی کی کسوف الشمسین تھی اور کسوف الشمسین کا مآخذ زمیندار لیکن اس اشاعت میں تحریر کا دوسرا حصہ یعنی اداریے کی دوسری قسط غائب ہے اور اس کی جگہ ایک اور ہی مضمون کی عبارت شائع ہو گئی ہے، پہلی قسط کا متن بھی اکثر جگہوں پر مغشوش ہے، عربی اشعار اور ان کا ترجمہ یکسر غائب ہے۔ رسالہ صحیفہ کے شبلی نمبر میں بتایا گیا ہے کہ یہ تحریر ''مولانا ظفر علی خان کے نام سے کریسنٹ (لاہور) کے شبلی نمبر میں بھی نقل کی گئی''[۲۱] جب کہ کریسنٹ میں اسے مولانا کے نام سے منسوب نہیں کیا گیا۔ فہرست مشمولات میں مصنف کی جگہ ''روزنامہ زمیندار لاہور'' درج ہے اور تمہید میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ ''مولانا ظفر علی خان (مرحوم) نے بھی اپنے شہرۂ آفاق روزنامہ زمیندار لاہور میں مولانا شبلی کے بارے میں دو مضمون شائع کیے''[۲۲] تصنیف کرنے اور شائع کرنے میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے مدیر صحیفہ نے بلاوجہ کریسنٹ کو متہم کیا۔

صحیفہ میں اداریے کی دونو اقساط تو یک جا ہو گئیں لیکن افسوس کہ صحیفہ کی اس اشاعت میں مضمون کے متن میں چند در چند تسامحات راہ پا گئے ہیں۔ زمیندار میں یہ مضمون، مصنف کی تقسیم کے مطابق، چار حصوں میں منقسم ہے جب کہ صحیفہ میں اسے محض دو حصوں میں منقسم دکھایا گیا ہے۔ مضمون کے عربی اشعار کا متن سرے سے غائب ہے، دوسرے حصے کا عنوان درست نقل نہیں کیا گیا کہیں تکرار واقع ہو گئی

ہے تو کہیں الفاظ کا املا درست نہیں ہے۔ ذیل میں اس اداریے کی دونو اقساط زمیندار میں مطبوعہ متن کے مطابق پیش کی جارہی ہیں اور محولہ متن میں جہاں جہاں تسامح یا حذف واقع ہوا ہے، حواشی میں اس کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

(۱)

فرشتہ قضا نے ہم سے اسلام کی عظمت چھین لی مگر ہم بے دل نہ ہوئے، اس لیے کہ ہم میں اُس کی یاد تازہ رکھنے کے لیے شبلی موجود تھا۔ قرآن کی حکومت چھین لی مگر ہم کو تشویش نہ ہوئی، اس لیے کہ اُس کا خضر طریقت شبلی موجود تھا۔ فاروق اعظم کی سطوت چھین لی مگر ہم پر بے دلی نہ چھائی اس لیے کہ الفاروق کا سکہ بٹھانے والا شبلی موجود تھا۔ مامون عباسی کی علمی برکتیں چھین لیں، مگر ہم مضطر نہ ہوئے، اس لیے کہ المامون کا مصنف شبلی موجود تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان کوفی کا علم وفضل چھین لیا مگر ہم نااُمید نہ ہوئے کہ سیرۃ النعمان کا صورت گر شبلی موجود تھا۔ امام غزالی کے برکات وفضائل چھین لیے مگر ہم وقف یاس نہ ہوئے، اس لیے کہ الغزالی کے زمانے کا تعارف کرانے والا شبلی موجود تھا۔ مولوی روم کا فلسفہ چھین لیا مگر ہم پر اضطرار طاری نہ ہوا، اس لیے کہ اس فلسفے کا سوانح نویس شبلی موجود تھا۔ علمائے اسلام کا ہم کلام چھن گیا مگر ہماری ہمت نہ ٹوٹی اس لیے کہ الکلام کا شارح حقیقت شبلی موجود تھا۔[۲۳] شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کی جاہ وجلالت چھن گئی مگر ہم بے حوصلہ نہ ہوئے، اس لیے کہ اُس کے آثار وقار بتانے کو شبلی موجود تھا۔ خلافتِ اُمویہ کا تمدن چھن گیا مگر ہم نے جزع وفزع نہ کیا اس لیے کہ الانتقاد[۲۴] کا بدائع نگار شبلی موجود تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض مجسم ورحمت عام زندگی پر اعتراضات ہو رہے تھے مگر ہم نے اعتنا نہ کی، اس لیے کہ سیرۃ نبوی ﷺ لکھنے کے لیے شبلی کا قلم موجود تھا۔ دبیر وانیس[۲۵] کی ادبی قابلیت ہم سے چھن گئی مگر ہم پر اثر نہ پڑا اس لیے کہ اس قابلیت کا موازنہ کرنے والا شبلی ہم میں موجود تھا۔ بایزید کی روشن ضمیری ہم سے چھن گئی مگر ہم نے محسوس نہ کیا، اس لیے کہ شبلی ہم میں موجود تھا۔ اس وقت ہم نہ صرف شبلی کے ماتم دار، اس کے فضائل کے ماتم دار ہیں۔[۲۶] بلکہ اسلام کے سوگ وار ہیں، اسلامی تمدن کے سوگوار ہیں، عرب کے سوگوار ہیں، علوم عرب کے سوگوار ہیں، غزالی ورازی کے سوگوار ہیں، اس لیے کہ شبلی کی وجہ سے یہ سب زندہ تھے اور خدا کرے اب بھی کوئی دوسرا شبلی اُٹھے کہ ان سب کی حیات جاوید کو صدمہ نہ پہنچنے پائے۔

لَقَدْ لَا مَنِي عِنْدَ الْقُبُوْرِ عَلَى الْبُكَا
(مجھے میرے دوست نے رونے دھونے پر ملامت کی)

رَفِيقِي لِتَذ رَافِ الدَّمُوْعِ السَّوَافِكِ
(کہ قبروں پر جاجا کر تم آنسو کس لیے بہایا کرتے ہو؟)

فَقَالَ أَتَبْكِي كُلَّ قَبرٍ رَأَيتَهُ
(اس نے کہا کہ یہ کیابات ہے کہ جس قبر کو تم دیکھتے ہواس کو دیکھ کر رونے لگتے ہو)
لِقَبْرٍ ثَوَى بَينَ اللِّوَىٰ فَالدَكَادِكِ
(حالانکہ اصل میں تم کوایک قبر پر روناہے۔)
فَقُلتُ لَهُ إن الشَّجَا يَبعَثُ الشَّجاَ
(میں نےاس سے کہا کہ ایک غم بہت سے رنج وغم کا حسرت برانگیز ہوا کرتا ہے)
فَدَعِني فَهٰذَا كُلّه' قَبرُ مَالكٍ [۲۷]
(مجھے چھوڑدواس لیے کہ یہ ساری وسعتیں اسی مالک علم وفضل کی قبریں ہیں۔)
(۲) [۲۸]

علامہ شبلی کی علمی زندگی اپنے تمام انوارِ تحقیق میں رایت افراز سر بلندی (کذا، سر بلند) رہی۔ سب سے پہلے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی لائف[۲۹] ایک مختصر عربی کتاب تالیف کی، جس کا نام بدء الاسلام ہے اور جو مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے نصابِ دینیات میں اب تک شامل ہے۔ مرحوم کی آخری تالیف بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہی تھی جس کی متعدد جلدیں مکمل ہو چکی ہیں مگر ہنوزاشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ یعنی اس پاک زندگی کی ابتدا بھی رسول اللہ ﷺ ہی پر ہوئی اور اسی ذکر خیر پر اس کی انتہا بھی ہوئی۔[۳۰] آغازِ عمل بھی اسی نام پر ہوااور حسنِ انجام کے لیے بھی تادم مرگ یہی کام تھا۔ھوالاول ھوالآخر

کون ہے جو اس تابناک اور درخشندہ انجام کا آرزومند نہ ہو گا۔ کرخی وجنید کی بھی یہی ہوس تھی [۳۱] مگر تقدیر نے یہ خصوصیت گویا شبلی ہی کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگی کہ زاہدان بدعا آرزو کنند

خاکِ پاکِ ہندوستان نے شاہ ولی اللہ جیسے محدث بھی پیدا کیے، جو علم اسرارالدین کے واضع تھے۔ اسی آب و گل سے علامہ صغانی[۳۲] کا بھی خمیر تھا، جن کی مشارق الانوار آج تک اشراقِ سنت کا منبعِ نورمانی جاتی ہے۔ قاضی عبدالمقتدر بھی یہیں کے تھے، جن کے لامیۃ العجم کا آج تک اہل عرب سے بھی جواب نہ ہو سکا۔ شیخ شہاب الدین ملک العلما[۳۳] بھی یہیں کے تھے، جن کی کتاب الارشاد شرح ملا جامی کا ماخذ تھی۔ محمد بن عبدالرحیم اصولی بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے، جن کو علمائے شام نے علامہ ابن تیمیہ کے مقابلے میں اپنا پیشوامانا تھا۔ سید مرتضی بلگرامی[۳۴] مؤلف تاج العروس بھی اسی ارض مقدس کے تھے، جن کو علمائے مصراس وقت تک اپنا اُستاد تسلیم کرتے ہیں۔ جوزجانی وضیائے برنی بھی یہیں کے تھے، جن کے تاریخی کمالات کا دانایانِ فرنگ تک کو اعتراف ہے۔ لیکن یہ ساری انفرادی قابلیتیں تھیں، جن کی جامع شاید ہی کوئی ایسی

ایک شخصیت ہوئی ہو۔

علامہ شبلی کی ذات میں ان تمام فضائل و برکات کو جمع کر کے قدرت کاملہ کو یہ ثابت کرنا تھا کہ قرآن کی یہ ہدایت واقع میں راست و درست ہے کہ إِنَّ إِبۡـرَاهِيۡمَ كَانَ أُمَّةً [۳۵] یعنی ابراہیم ایک شخص نہ تھا، ایک قوم تھا اس لیے کہ منبع دین ابراہیمی (شبلی) بھی ایک فرد نہ تھا، ایک پوری قوم کے روشن ترین قوائے علمیہ کا جامع تھا جو افسوس ہے کہ آج منتشر ہو گئے اور بڑا افسوس یہ ہے کہ انتشار کے بعد اُن کے فنا ہو جانے کا خطرہ بھی دامن گیر ہے۔

(۳) [۳۶]

زوال اُندلس کی مرثیہ خوانی ابن الترمذی نے کی تھی [۳۷] سقوط بغداد کے مرثیہ نویس سعدی تھے لیکن اس حالت اضطرار میں ہم وہ قلم کہاں سے لائیں، وہ دِل و دماغ کہاں سے لائیں کہ مرگ فاجعۂ شبلی کی تشریح کر سکیں جو حادثۂ اُندلس و بغداد سے کہیں زیادہ دردناک ہے۔ اس لیے کہ یہ شخص واحد کی وفات نہیں ہے، یہ اُس قوم کی نذیر مرگ ہے، جس کی زندگی ہمیشہ علم ہی سے قائم رہی اور وہی علم، حیف ہے کہ مفقود ہو رہا ہے۔ ہم [۳۸] اپنے فاضل دوست (پیغمبر قابلیت حضرت سلیمان) سے التماس کرتے ہیں کہ علامہ مرحوم کے بہترین کام (سیـرت نبوی) کی تکمیل فرمائیں اور خود حضرت مغفور کی ایک سیرت بھی مرتب کریں جس کی ضرورت ہم سے کچھ زیادہ ہی وہ محسوس کرتے ہوں گے [۳۹] ہم سب اس وقت مستحق تعزیت ہیں اور ہم تو کیا تمام دنیائے اسلام اس عزاداری کی ہم سے زیادہ مستحق ہے۔ لیکن مسلمان تو پیدا ہی اس لیے ہوئے ہیں کہ اپنے جواہر پاروں کو ایک ایک کر کے کھوتے رہیں اور ان کو روتے رہیں۔

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيۡنَ○ الَّذِيۡنَ إِذَآ أَصَابَتۡهُم مُّصِيۡبَةٌ قَالُوٓا۟ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّـآ إِلَيۡهِ رَاجِعونَ [۴۰]

یعنی [۴۱] اُن ثابت قدموں کو بشارت دو جنھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کے پاس یہاں سے پھر جانے والے ہیں

در دلم بود کہ بی دوست نمانم ہر گز
چہ توان کرد کہ سعیِ من و دل باطل بود [۴۲]

....

آفتاب علم غروب ہو گیا [۴۳]

اَلشَمسُ كُوِّرَت وَالنَّجوُمُ انكَدَرَتُ

(۴) [۴۴]

شمس العلماعلامہ شبلی نعمانی کی ساری زندگی علم میں گزری، تالیف و تصنیف میں گزری، ابتدا سے ان کا یہی مشغلہ تھا اور انتہا تک یہی قائم رہا۔ وہ علم کے لیے پیدا ہوئے، علم ہی میں زندگی بسر کی، جب تک جیے

علم کے لیے جیے، اور جب مرے تو اس وقت بھی علمی مسائل ہی ان کے پیش نظر تھے۔

ان کے علمی شغف وانہماک کا یہ حال تھا کہ بلاذری کی کتاب الاِشــراف عــلــی تــراجــم الاَشــراف کے بعض اقتباسات ان کی نظر سے گزرے، دریافت سے معلوم ہوا کہ دنیا بھر میں صرف اس کا ایک نسخہ کتب خانہ قسطنطنیہ میں موجود ہے، یہی کتاب تھی اور اسی کا شوقِ مطالعہ تھا جو اِن کی سیاحتِ روم و شام و مصر کا باعث ہوا، وہ دوبارہ پھر سفر کے خواہش مند تھے۔ ۱۹۰۶ء میں مستشرقین فرنگ کی کانفرنس الجزائر میں ہوئی تھی جس میں مسلمانوں کی طرف سے سر گروہِ احرارِ مصر (فرید بک) شریک ہوئے تھے اور علامہ شبلی کو بھی موسیو جورنار کی جانب سے شرکت کی دعوت موصول ہوئی تھی، وہ خود بھی جانے کو آمادہ ہو گئے تھے کہ دانایانِ مغرب سے علوم عرب کی نسبت مبادلۂ خیال ہو گا مگر جب یہ معلوم ہوا کہ کانفرنس کی تمام تقریریں فرانسیسی زبان میں ہوں گی، عربی میں نہ ہوں گی، تو ناچار فسخ عزم کرنا پڑا، اس لیے کہ علامۂ مرحوم گو ایک حد تک فرانسیسی سمجھ لیتے تھے مگر اس زبان میں تکلم پر قادر نہ تھے۔

انھیں جو وظیفہ ملتا تھا وہ تقریباً سب کا سب کتابوں کی خریداری میں صرف ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اُن کی بیوی کے علاج میں ایک معتدبہ رقم خرچ ہو گئی، ان کو سخت افسوس ہوا کہ فلاں فلاں عربی کتابوں کی خریداری میں یہ رقم کیوں نہ صرف ہوئی جو یورپ نے ابھی ابھی شائع کی ہیں۔ قبض شدید ان کو اکثر لاحق رہتا تھا، اجابت کو جاتے تھے تو اس وقت بھی کوئی نہ کوئی فلسفی[کذا۔ فلسفہ کی] کتاب ساتھ لے جاتے تھے کہ وقت مطالعہ سے فارغ کیوں گزرے۔ علامہ ابن جنی کی کتاب الــخــصــایــص انھیں ایک بار دستیاب ہوئی۔ یہ فن تصریف کی پہلی کتاب ہے جو خاص واضعِ فن کی تالیف ہے اور ہنوز کہیں نہیں چھپی ہے، مرحوم کو اگرچہ اس فن سے کچھ ایسی دلچسپی نہ تھی مگر ایک ہمہ گیر دماغ بانیانِ علوم کے نتائجِ تحقیق سے کیوں کر بے نیاز ہو سکتا ہے، اس کتاب کے نقل لینے میں ان کے بے شمار روپے صرف ہوئے، اس پر بھی وہ خوش تھے کہ ایک بڑا خزانہ پھوٹی کوڑیوں کے مول مل گیا۔

مسیحی فاضل (جرجی زیدان آفندی ایڈیٹر الھلال مصر) نے جب تــاریــخ الــتــمدن الاسلامی کی تدوین شروع کی تو اسلامی قانون خراج (عہد خلافت عباسیہ) کی نسبت اسے مصر و شام و یورپ کے کتب خانے بھی کوئی مدد نہ دے سکے، علامہ مرحوم کو خط لکھا اور انھوں نے ہمارے سامنے جعفر بن قدامہ کی کتاب جو خاص اسی عنوان پر تھی، بھیج دی۔ ابن قدامہ خلافت عباسیہ کا میر منشی تھا اور سلطنت نے خود اس سے اپنے ممالکِ محروسہ کے لیے قانون مال گزاری و نظام مالیہ مرتب کرایا تھا مگر جرجی زیدان نے اس کتاب سے بھی فائدہ اُٹھانے میں خیانت کی۔ اسلامی اصلاحات و مراعات تو نظرانداز کر دیے، البتہ نوشیروانیوں کے بعض اصول عمل عربوں سے منسوب کر کے دکھایا کہ بندوبست اراضی و تشخیص جمع میں یورپ نے رعایا کے لیے جو آسانیاں رکھی ہیں وہ مسلمانوں کے عہد میں نہ تھیں۔ پیرس سے ایک عرب (لبیب آفندی) نے ان کو لکھا کہ عربوں کی علمی و ذہنی قابلیت تو مسلم ہے گو عرصۂ ایجاد و اختراع میں اس قوم نے کچھ بھی کامیابی حاصل نہ

کی۔ مرحوم نے اس کے جواب میں ایک نامور مصنف کی قدیم تالیف (کتاب الآلات) پیرس بھیج دی جو آج تک واپس نہ آئی۔ یہ کتاب ہم نے خود دیکھی تھی، بہ کثرت آلات کا تذکرہ تھا جو خاص مسلمانوں کی ایجاد تھے، ان سب کی تصویریں بھی دی تھیں اور اس فن پر بہ حیثیت فن نہایت وسیع و جامع بحث کی تھی۔

مرحوم کی قابلیت کا یورپ تک کو اعتراف تھا۔ مسٹر ڈبلیو ٹامس آرنلڈ نے سواء السبیل لکھی۔ یورپ ان کی عربی قابلیت پر مطمئن نہ ہوا۔ دعاۃ اسلام [۴۵] تالیف کی لیکن ولایت جاتے ہوئے وہ علامہ مرحوم سے سندِ قابلیت لکھوا کر لیتے گئے تو انڈیا آفس نے ان کو سر آنکھوں پر جگہ دی اور مجلس اعانت و استشارہ طلبۂ ہند کے وہ سیکریٹری مقرر کر دیے گئے جس پر اب تک فائز ہیں۔ ایک فرانسیسی مستشرق [۴۶] رباعیات عمر خیام کو (مع ترجمہ فرنچ) ایڈٹ کرنا چاہتا تھا۔ ایک شعر کا مفہوم اس کو صرف اس وقت معلوم ہو سکا جب علامہ مرحوم نے اس کی تشریح کی۔ مصنف مذکور نے مقدمہ ایڈیشن میں یہ پورا واقعہ نہایت شکر گزاری کے ساتھ درج کیا ہے کہ ایک ہندوستانی دماغ نہ ہوتا تو ایک فرانسیسی کی غلط فہمی کبھی مرتفع [کذا۔ رفع] نہیں ہو سکتی تھی۔

(۵)

سیاسیات میں مرحوم کی آزادی ہمیشہ یادگار مانی جائے گی۔ مسلم گزٹ میں انھوں نے مسلمانوں کے پالیٹکس پر صرف تین نمبر لکھے اور آل انڈیا مسلم لیگ کا نظام عمل تبدیل ہو گیا۔ ان کی ولولہ انگیز نظمیں جو ''کشاف'' اور ''وصاف'' کے نام سے الہلال کلکتہ میں شائع ہوا کرتی تھیں، مسلمانوں میں سیاسی بیداری کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ محرک تھیں۔ [حادثۂ] فاجعہ طرابلس، محاربات [۴۷] بلقان، ہنگامۂ کان پور کی ذیل میں انھی کی نظمیں تھیں جن میں عربوں کی اُس تاریخی شاعری کی روح نظر آتی تھی جس کے ایک ایک شعر اور ایک ایک بند سے رفتارِ زمانہ میں انقلاب آجاتا تھا اور مظاہر ایام کی شکل و نوعیت بدل جاتی تھی۔ قومی معاملات میں ان کی راست باز صداقت کبھی خاموش ہونے کو نہیں آتی تھی۔ مسلم یونیورسٹی کا جب غلغلہ بلند ہوا اور ہز ہائی نس سر آغا خاں اس کے لیے چندہ وصول کرنے کو نکلے تو سخن فہم و دقیقہ رس طبیعتوں کی مآل اندیشی ہنوز اصل نکتہ پر پہنچی بھی نہ تھی کہ مرحوم نے عین جلسہ لاہور میں ایک نظم کے ذریعہ سے تشریح کر دی کہ مسلمانوں کے لیے مسلم یونیورسٹی اسی [۴۸] وقت سود مند ہو سکتی ہے جب اس کی انتظامی و تعلیمی عنانِ اختیار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ اس باب میں ان کا یہ شعر تاریخِ بیداریِ اہل ہند میں بطورِ ضرب المثل استعمال کیے جانے کے قابل ہے، جس میں فرماتے ہیں ؎

ہمین یک حرف از [۴۹] یونیورسٹی مدعا باشد
کہ این سر رشتۂ تعلیم مادر دستِ ما باشد

ندوۃ العلما میں ان کی مشغولیت بہت دِنوں تک رہی اور بہت سارے کام وہ اس ضمن میں انجام دیتے رہے۔ استبداد سے ان کو سخت نفرت تھی۔ تمام قومی مسائل میں اصولِ احتساب کے بڑی سختی سے پابند

تھے اور ہم کو خوب یاد ہے کہ دہلی و لکھنؤ کے اجلاس ندوۃ العلما میں انھوں نے قوم کو علانیہ احتسابِ عمل کی دعوت دی تھی کہ لوگ آئیں ان کے کام کی تنقیح کریں، ہر ایک صیغہ کو جانچیں اور بتائیں کہ ان سے کیا کیا کمزوریاں ہوئی ہیں؟ ان کی تلافی کیوں کر ممکن ہے؟ اور آئندہ کن ضوابط پر کام کرنا چاہیے۔

مرحوم کی زندگی مختلف حیثیتوں کی جامع تھی اور ہر ایک حیثیت بجائے خود ایک مکمل ترین منبعِ انوار نظر آتی تھی جس پر تبصرہ کرنے کے لیے بڑی فرصت اور کمال دِقت نظر کی ضرورت ہے۔ ہم اس موضوع کو ایک مستقل سیرت کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں اور اس وقت اس دردِ دل کے اظہار پر اکتفا کرتے ہیں کہ:

اے وہ خدا کہ ابن سینا و ابن رشد و ابو حنیفہ و بخاری، ملک شاہ و عالم گیر کے بعد بھی تو نے اسلام کو بے یار و مددگار نہ چھوڑا، اس نازک وقت میں بھی کہ شبلی کی موت نے حیاتِ اسلامی کو موت کے کنارے جالگایا ہے، جذباتِ قومیت کی تباہی سر پر آ گئی ہے، ایوانِ مدنیتِ اسلامی برباد ہو جانے کو ہے، تجھ ہی پر اس وقت اسلام کا بھروسا ہے، مسلمانوں کا آسرا ہے، تو ہی اگر اس کمزور و بے کس قومِ اسلام کی مدد کرے گا تو حصول طاقت پھر بھی ممکن ہے۔

ورنہ از ضعف درین جا اثری نیست کہ نیست [۵۰]

……………………………

ہماری بزم کی آخری شمع بھی بجھ گئی

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ

عاشقِ رسول کا ماتم

(نمبر۱)

۱۹۱۴ء کے مصایب عظمیٰ خواہ کارباری عالم کا کچھ ہی فیصلہ کریں لیکن مسلمانوں کی علمی قسمت کا فیصلہ تو اٹھارھویں نومبر کی صبح کو ہو چکا۔ موجودہ دور مصایب و تنزل علمی نے ہمیں جو برکتیں عطا کی تھیں، یقیناً ان میں بخشش اعظم اور موہبت کبریٰ شمس العلما علامہ شبلی نعمانی کا وجود مبارک تھا۔ جس نے تقریباً ربع صدی تک اسلامی علوم و فنون کے دائرۂ گنبد میں وہ گونج پیدا کی جس کی صدائے باز گشت یقیناً کانوں میں قیامت تک آتی رہے گی۔

مولانا کی صحت تو ۷رمئی ۱۹۰۷ء ہی کو مجروح ہو گئی تھی۔ جس دن اتفاقاً ان کے پاؤں میں بندوق کی گولی لگی تھی اور خون کا بڑا حصہ رگوں سے بہ چکا تھا۔ چند مہینوں کے علاج کے بعد جس صحت نے عود کیا وہ ماضی کا بدل نہ کر سکی۔ مدت سے مولانا کو بواسیر خونی کی شکایت تھی۔ تین چار سال سے اس کے دورے جلد جلد ہونے لگے تھے اور اسی کے ساتھ اکثر پیچش بھی ہو جاتی تھی، چلنے پھرنے کی معذوری کے سبب اور امراضِ

مذکورہ کے باعث ضعفِ معدہ شدت کو پہنچ گیا تھا۔ دو برس سے ضعف کا یہ حال تھا کہ رات دن میں صرف ایک وقت غذا رہ گئی تھی جس کی مقدار روزانہ صرف ایک پاؤ روٹی کا چوتھائی حصہ رہ گیا تھا[کذا]۔ اس اثنا میں علالت کے بڑے بڑے دورے ہوئے اور حکیم عبدالولی صاحب لکھنوی اور حاذق الملک دہلوی کے علاج و تدابیر سے افاقہ ہوتا رہا۔ اپریل و مئی ۱۹۱۴ء کے مہینوں میں ندوۃ العلما کی، جس کے مقاصد اُن کی زندگی کا مطلوب تھا، ناکامی و ہنگامہ آرائی نے انھیں سخت تکلیف پہنچائی تھی۔ اس کے دو مہینہ کے بعد ان کے برادرِ عزیز مسٹر محمد اسحٰق بی۔ اے، ایل ایل بی مرحوم نے جن سے مولانا کو سخت محبت تھی، ۵؍اگست ۱۴ء کو داغِ مفارقت دیا۔ اس صدمہ ءجانکاہ نے انھیں نہایت افسردہ کر دیا۔ تاہم علمی و قومی خدمت کا ولولہ ابھی سرد نہیں ہوا تھا۔ علی گڑھ اور ندوۃ العلما کے تجربوں نے اونچی دکانوں سے بالکل بے مزہ کر دیا تھا۔ اس لیے ان کا آخری ارادہ یہ تھا کہ خود اپنے وطن اعظم گڑھ میں اپنے مقاصد کی تخم ریزی کریں۔ نیشنل شبلی سکول جو اس شہر میں مولانا کی قومی خدمت کی سب سے پہلی ابجد تھی۔ اس کی تجدید و استحکام اور سرائے میر میں ایک مذہبی درس گاہ کی تنظیم و ترتیب جو چند سال سے قائم ہو چکی ہیں اور دارالمصنفین کی تاسیس و بنا جس کے لیے وہ تین سال سے بے قرار تھے۔ یہ تمام تجویزیں ان کے پیش نظر تھیں اور ان کے لیے اپنا مکان و باغ واقع اعظم گڑھ کا وقف قریب تکمیل تھا کہ عید اضحیٰ کے دوسرے دن علالت کی ابتدا ہو گئی۔

یہ نومبر کی ۷؍تاریخ تھی تین دن تک پیچش و بواسیر کا دورہ رہا۔ ضلع کے اسسٹنٹ سرجن کا علاج رہا لیکن کوئی افاقہ نہ ہو، اچوتھے دن لوگوں نے طبی علاج شروع کیا۔ شہر کے ایک طبیب نے پیچش کا معمولی نسخہ استعمال کرایا۔ نسخہ کے استعمال سے اس دن پچاس ساٹھ دست آ گئے اور ایک بار اس قدر خون آیا کہ طشت کا تین ثلث حصہ خون سے بھر گیا۔ یہ جسم کی پہلی شکست تھی۔ اس کے بعد ضعف برابر ترقی کرنے لگا۔

مولانا کو خود اپنی صحت سے یاس ہو چکی تھی۔ اپنے احباب اور حلقہ بگوشوں کو فوراً تار دیے۔ افسوس کہ اس غمزدہ کے نام پونہ، کلکتہ اور دسنہ کے پتہ سے تار گئے ہیں۔ میں اس وقت بانکی پور میں تھا۔ بلا اطلاع خود دل نے زیارت کی کشش ظاہر کی۔ مولانا گزشتہ چند سالوں سے عظیم الشان سیـــــرت نبـــوی کی تالیف و ترتیب میں مشغول تھے۔ بار بار علالت کے ایّام میں وہ میری آمد کے منتظر تھے کہ سیــرت نبــوی کے اجزا اور اپنے ناتمام کاموں کو جن سے میں پہلے سے آشنا تھا، میرے سپرد کر سکیں۔

لیکن آہ! جب میں ۱۵ کی شام کو پہنچا تو طاقت جواب دے چکی تھی۔ سرہانے کھڑا تھا، میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے، مولانا نے آنکھیں کھول کر حسرت آلود نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ: اب کیا رہا؟ پھر زبان سے دو بار فرمایا: ''اب کیا!'' اب کیا! لوگوں نے جواہر مہرہ ایک چمچہ میں پلا دیا تو جسم میں ایک فوری مصنوعی قوت پیدا ہو گئی اور بطور معاہدہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے۔ سب کام چھوڑ کے سیرت تیار کر دو! میں نے تھراتی ہوئی آواز میں کہا ''ضرور ضرور''

اس کے بعد ان کی حالت روز بروز بلکہ ساعت بساعت نازک تر ہوتی گئی۔ اسہالِ خونی اور آخر میں صرف اسہال برابر جاری رہا۔ آنتوں میں خراش سے زخم ہو گیا تھا۔ غذا تمام ایّام علالت میں مطلقاً موقوف رہی۔ لاغری و نحافت کا یہ حال ہو گیا کہ پیٹ اور پُٹھ میں شاید دو تین انگل کا حجاب ہو۔ طبی علاج و اہتمام جاری تھا لیکن مولانا نے دوا کے استعمال سے قطعاً انکار کر دیا اور پھر تین روز تک مطلق دوا نہیں پی۔ ۱۶ر کی شام کو مولانا حمید الدین صاحب بھی تشریف لائے۔ جن کے لیے مولانا ابتدائے مرض سے منتظر تھے۔ ۱۷ر کی صبح کو چار بجے ان کو اور مجھے یاد فرمایا۔ زبان مبارک سے تین بار ''سیرت'' ''سیرت'' ''سیرت'' کہا اور پھر انگلی سے لکھنے کا اشارہ کرکے کہا ''سب کام چھوڑ کے'' حالت جب زیادہ نازک ہو گئی تو جناب حاذق الملک اور جناب حکیم عبدالولی صاحب اور دیگر اطبّا کو تار دیے گئے لیکن افسوس کوئی وقت پر نہ پہنچ سکا، ناچار الہ آباد اور جونپور میں ڈاکٹروں کو تار دیے گئے۔ ڈاکٹر محمد نعیم صاحب اسسٹنٹ سرجن و ممبر میڈیکل مشن ہلال احمر مولانا کی رحلت سے ۱۲ گھنٹے پیشتر جونپور سے پہنچ گئے۔ انھوں نے نہایت توجہ کے ساتھ مریض کا ایک ایک عضو دیکھا اور بحالت یاس کہا کہ دماغ کے سوا ان کے تمام اعضا معطل ہو چکے ہیں، اب تدبیر بے سود ہے! آخراً ۱۸ر نومبر کی صبح کو پانچ بجے مولانائے مغفور کی روح نے آخری سانس لی۔ عصر کے وقت لاش ''شبلی منزل'' واقع اعظم گڑھ میں سپردِ خاک کی گئی، تمام شہر اور اطراف کے ساکن نماز میں شریک تھے۔ سرکاری عدالتیں اور شہر کے مشن اور مسلم سکول بند کیے گئے۔

استاد بزرگوار! جا اور سایۂ رحمت میں آرام کر۔ دنیا تجھ کو بہت ڈھونڈے گی لیکن نہ پائے گی!

سیّد سلیمان [۵۱]

....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت نبوی

آغاز سیرت نبوی یادگار تست

انجامش ستر گی ایں کار، کار تست

دربار اسلام اپنی علمی فیاضیوں کے لیے ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ سلطان فیروز شاہ کی سرپرستی علم و فن کس کو یاد نہیں۔ جس نے ہندو علم سیات کو از سرِ نو زندہ کیا تھا اور فلکیات ہند کے ترجمے فارسی میں کرائے تھے۔ اکبر اعظم کا محکمہ تراجم علوم و فنون کب فراموش ہو سکتا ہے جس میں بے شمار علمائے اسلام سنسکرت و ہندی کے علمی خزانے فارسی و عربی میں نقل کرنے کو متعین تھے۔ سلطان زین العابدین کا زرّیں عہدِ حکومت کون بھول سکتا ہے جس نے ہندو پنڈتوں سے راج ترنگنی تالیف کرالی تھی۔ یہ ہندوستان ہی تھا جس نے

حضرت امیر خسرو کو ایک کتاب تغلق نامہ کی تالیف پر آب فیل بار (ہاتھی کے وزن برابر) روپے دیے تھے۔ تحشیہ امورِ عامہ پر بار گاہ شاہجہانی سے میر زاہد کا مونھ زر وجواہر سے بھر دیا گیا تھا۔ حاشیہ خطائی کی تصنیف پر عبدالحکیم کو اُن کے وزن برابر روپیہ عطا کیا گیا تھا۔ محمود جونپوری کو شمس بازغہ کے صلہ میں جاگیر عنایت ہوئی تھی۔ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب نے کئی لاکھ خرچ کر کے فتاویٰ عالمگیری جیسی بے نظیر کتاب مرتب کرائی تھی۔ جو فقہ اسلام کا ایسا ہمہ گیر قانون ہے کہ کسی دوسرے مذہب و قوم کے قوانین بلحاظ کثرت سوائے جزئیات ایسی جامعیت کی مثال ہر گز پیش نہیں کر سکتے۔

وہ زمانہ اگرچہ گزر چکا اور اب اس وقت ہندوستان میں علمی کس مپرسی کے دن آگئے ہیں، مگر ہنوز عہد قدیم کی یاد باقی ہے اور دولت عالیہ آصفیہ جیسی فضائل نواز و معارف دوست حکومتوں کے طفیل میں ابھی اُس کی یادگار بھی تازہ ہے۔ سرکار عالی ہی کی علمی فیاضی تھی جس نے علمائے اسلام کو بیش قرار وظایف دیے۔ خدمت گزارانِ علم وفن کی حوصلہ افزائی وقدر شناسی فرمائی۔ سلسلہ آصفیہ جاری کیا۔ جس نے الفاروق و الغزالی و الکلام و سوانح مولوی روم جیسی بدیع منزلت کتابیں شائع کرائیں۔ یہ سلسلہ اگرچہ آج کل بند ہے۔ جس پر ہر ایک محبّ علم کو افسوس ہو گا۔ تاہم شیخ الاسلام دکن مولانا نوراللہ خان بہادر کی نگرانی میں ایک دوسری مجلسِ اشاعتِ علوم وفنون قائم ہے۔ جس کو علمی تالیفات کے لیے پانچ سو روپیہ ماہوار عنایت ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ اس مجلس نے ہنوز کوئی قابل تذکرہ خدمت نہیں کی۔ یا اگر کی بھی ہو تو ہم کو اُس کا علم نہیں ہے، اس پر یقین رکھنا چاہیے کہ مولانا ممدوح جیسے نخل بند حکمت کا فیض سرپرستی شجرہ علم وعرفان کی آبیاری سے قاصر نہ رہے گا اور یہ حدیقۂ معرفت ہندوستان کے لیے شیریں مذاق ثمرات نورہمیں بہم پہنچائے گا۔

دربارِ بھوپال کی علمی فیاضیاں بھی شہرہ آفاق ہیں۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم کے عہد میں اُس نے جیسی کچھ قدر دانی علم وفضل کی ہے، جتنی کتابیں شائع کرائی ہیں جیسے نامور علما فراہم کیے ہیں، بے انتہا خرچ سے فتح الباری والجاسوس علی القاموس جیسے جواہر پاروں سے دنیا کو روشناس کیا ہے، کون ہے جو ان مساعی مشکورہ منت گزار سپاس نہ ہو گا؟ یہ علم پرور فرماں بروائے بھوپال (ہر ہائینس ملکہ محترمہ سلطان جہان بیگم) ہی کی فیاضی تھی کہ شمس العلما علامہ شبلی نعمانی مرحوم سے مجلس تالیف سیرت نبوی قائم کرائی اور اس کے لیے دو سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کرنے کے علاوہ کئی ہزار روپے کتابیں خریدنے کی غرض سے عنایت فرمائے۔

اعلیٰ حضرت شہریار دکن کی منزلت سنج نگاہیں بھی بے خبر نہ تھیں۔ دولت عالیہ آصفیہ نے علامہ مرحوم کا وظیفہ بجائے سو روپے ماہوار کے تین سو روپے ماہوار مقرر کر دیا۔ جس سے یہ مقدس خدمتِ اسلام خاطر خواہ آسانی کے ساتھ ہونے لگی۔ یہ ایسا مبارک کام ہے جس پر ہندوستان، تمام دنیا کے روبرو فخر کر سکتا ہے اور جس کی تکمیل عالمِ اسلامی کے لیے ایسی براعت افروز کامیابی ہو گی کہ اس کی نظیر پیش کرنے سے مشرقی ممالک آج تک قاصر رہتے چلے آئے ہیں۔

مشاہیر علمائے اسلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کے ہر پہلو پر بڑی کثرت سے کتابیں تالیف کیں اور اس وقت دنیا کی بیشتر زبانوں میں آنحضرت (سلام اللہ علیہ) کے سوانح زندگی پر مستقل تالیفات موجود ہیں لیکن ابھی تک دنیا کا ایک بڑا اور بہت بڑا حصہ ایسا بھی ہے جو حضرت رسالت کو مسٹر لائیڈ جارج وزیر خزانہ برطانیہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسلام کے فیض عام کو توحش وبربریت کے مترادف جانتا ہے اس لیے ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے کہ جناب سرور کائنات کی سیرت وسریت کا کوئی جز بھی تشنۂ تحقیق نہ رہ جائے اور زمانہ دیکھ لے کہ قدرتِ کاملہ نے اہلِ زمانہ کی رہنمائی کے لیے نہ کبھی ایسا مکمل نمونہ پیدا کیا اور نہ آئندہ پیدا کرے گی۔

ہندوستان کی بدقسمتی ہے کہ علامہ مرحوم اس کام کو نامکمل چھوڑ گئے جن مآل اندیش دماغوں سے وہ یہ کام لیتے تھے۔ خدا کے فضل سے اس وقت بھی موجود ہیں اور اس کام کو حدانجام تک پہنچانے کی بہترین قابلیت رکھتے ہیں۔ ضرورت صرف اتنی ہے کہ دربار بھوپال اس کی تکمیل کو فرض اہم سمجھتا ہے، اپنا عطیہ برقرار رکھے اور جدید خدمت گزارن اسلام کی کہ پہلے بھی انھیں سے ایک بڑی حد تک یہ کام متعلق تھا معقول حوصلہ افزائی فرمائے۔ واجرہم علی اللہ۔

ہمارے فاضل دوست (مولانا سلیمان ندوی) علامہ مرحوم کی زندگی ہی میں سیرت نبوی کے اجزائے مہمہ تحریر کر چکے ہیں اور اب بھی انھیں کا ایک بلاغت کار قلم ہے جو اجزائے باقیہ کی تکمیل کر سکتا ہے۔ خود حضرت مغفور کی بھی یہی خواہش تھی اور انھوں نے وصیت بھی یہی کی تھی جناب موصوف کو اگر موقع دیا جائے۔ مالی زحمتیں پیش نہ آئیں اور وہ اپنا سٹاف مرتب رکھ سکیں جس کے ایک رکن جلیل مولوی عبدالسلام صاحب ندوی (سب ایڈیٹر الہلال کلکتہ) بھی ہونے چاہییں۔ جو پہلے بھی معین تالیف سیرت نبوی رہ چکے ہیں۔ یہ انتظام خاطر خواہ ہو جائے تو یہ نامکمل کام بہت جلد مکمل ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ مواد تحریر فراہم ہیں۔ فقط ان کی ترتیب و تدوین کی حاجت ہے جسے ہمارے فاضل دوست بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

دربار بھوپال سے اسلام کی درخواست ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ملتمس ہے کہ سیرت نبوی کے جس کام کا بھوپال کی علمی فیاضی سے آغاز ہوا تھا وہ اسی کی عنایت سے انجام کو پہنچے اور یہ اجرو شرف ملکہ محترمہ بھوپال ہی کے لیے مخصوص رہے۔

دولت عالیہ آصفیہ کا وظیفہ بھی علامہ مرحوم اسی کام میں صرف کرتے تھے اس لیے اگر یہ سلسلہ بھی جاری رہے تو کام بآسانی ہو سکے گا اور بہت جلد ہو جائے گا۔

خود مسلمان بھی اب ایسے غفلت کیش نہیں رہے کہ اتنے بڑے جلیل الشان کام کو رائیگاں جانے دیں۔ اگر کچھ نہ ہوا تو وہی اس کے لیے سرمایہ فراہم کرنے پر تیار ہو جائیں گے لیکن حیف ہے اگر ہمارے والیان ملک اس شرف و ظرف سے محروم رہیں۔ اس توشۂ سعادت وزادِ آخرت کی تکمیل اُن کے ہاتھوں ہو سکے۔ واللّٰہ یؤیّد من یشاء بفضلہ یعلم مایسرون ومایعلنون۔ [۵۲]

....

آہ شبلی!

(از صفی الدولہ حسام الملک نواب سیّد محمد علی حسن خان آنریری سیکریٹری انجمن اصلاح)

افسوس صد افسوس ۱۸؍ نومبر کی صبح کو حضرت علامہ شبلی نعمانی نے وفات پائی وہ آفتابِ علم جس کی روشنی نے ہندوستان کے ہر گوشہ کو روشن کر رکھا تھا ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

ہم مولانا کے اعزہ و اقربا کے ساتھ دل سے شریک ماتم والم ہیں اور بعض ناشدنی مجبوریوں اور اپنی علالت کی وجہ سے مولانا کے پاس موجود نہ ہونے پر سخت متأسف و غمگین ہیں۔وما تشائون الا ان یشاء اللّٰہ رب العالمین ۔اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

اس ناقابل تلافی نقصان کے صدمہ میں ہم کو اور قوم کو خدا پر بھروسہ کر کے پورے صبر واستقلال سے کام لینا چاہیے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مردانِ خدا کے فانی وجود کے ساتھ ان کی ارواحِ مقدسہ فنا نہیں ہوا کرتیں اور ایک زندہ قوم کے رہنماؤں کے وجود ظاہری کے ساتھ ان کے علمی اور عملی اور قومی و مذہبی کارناموں پر زوال نہیں آیا کرتا ۔

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

بلکہ زندہ قوموں کے افراد میں اس قسم کے حوادثِ عظمیہ ان کی غیرت علیت مستعدی اور سر گرمی میں ایک پُر زۂ اسٹیم اور ولولہ پیدا کر دیتے ہیں۔

یہ بات عالم آشکارا ہے کہ مولانا، آغاز انجمن ندوۃ العلما سے اپنی آخری انفاسِ مستعار تک ندوہ کی آبیاری میں ہمہ تن مشغول رہے اور اپنے ایثارِ نفس کا بے نظیر نمونہ قوم کی تقلید کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ مولانا کی شیفتگی ندوہ کے ساتھ لیلیٰ و مجنوں کے عشق سے بھی بڑھی چڑھی تھی۔ در حقیقت اسلامی خدمت ندوہ کی بلند اور سربفلک دیواریں جس مضبوط اور پائیدار اصول اور مقاصد پر اٹھائی گئی تھیں خود زمانہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قومی اور اسلامی ترقی کا مدار کلیتاً انھی اصول و مقاصد پر ہے پس مولانا کے احباب تعلیم یافتگان دار العلوم اور سب سے بڑھ کر قوم کا یہ اوّلین فرض ہے کہ وہ بلا ایک لمحہ زائل کیے ہوئے اپنی دو چند بلکہ سہ چند و چہار چند قوت سے کام لے کر اس وقت تک دم نہ لے جب تک ندوہ اور اس کا دار العلوم اپنے اصلی اور بنیادی اصول و مقاصد پر استحکام کے ساتھ قائم نہ ہو جائے۔ مجھ کو امید ہے کہ قوم اپنے آثار حیات اور حی القائم احساسات کا کامل ثبوت دے گی۔چوں کہ اس وقت صدمات قلبی کی وجہ سے نہ قلم اختیار میں ہے نہ زبان پر قابو ہے۔ اس لیے میں اس مختصر قومی عرض داشت کو دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ تعالےٰ اپنے کسی برگزیدہ روشن

ضمیر اور دقیق النظر بندے کو کھڑا کردے کہ مولانا کی انتہائی آرزو اور قوم کی حقیقی فلاح و بہبود اور ندوہ کے بنیادی اصول اور مقاصد کی سرپرستی پر آمادہ ہو کر اس قحط الرجال کے زمانہ میں قوم کی مایوسی اور افسردگی کو سراپا یقین اور امید سے بدل دے اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے ایک شاہراہ کو کھول دے۔ واللّٰہ ولی التوفیق والیہ المرجوع المآب [۵۳]

....

سیرت نبوی

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پُر ملال سے مسلمانوں کو وہ ناقابلِ برداشت نقصان پہنچا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ مبدء فیاض نے علامہ مرحوم و مغفور کی ذات مستجمع صفات شتی بنائی تھی

لیس من اللّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

آپ عالم و فاضل و شاعر و مورخ و فلسفی و متصوّف ادیب و فقیہ و محدث و محقق و مقنن و متکلم تھے۔ بلاشبہ آپ کا وجود اس قدر فضائل واوصاف حمیدہ کا جامع تھا کہ ان میں ایک کے ساتھ بھی اگر کوئی فرد متصف ہو تو اس کے فضل و کمال کے واسطے کافی ہو سکتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ علامہ مرحوم و مغفور کی ذات ستودۂ صفات ہمارے وصف ناتمام سے مستغنی ہے کیوں کہ آپ کی تصنیفات و تالیفات نے صفحۂ عالم پر آپ کا دوام ثبت کر دیا ہے۔ افسوس ہے واندوہ تو اس بات کا ہے کہ مسلمانوں کی بدقسمتی سے ابھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ناتمام ہے۔ علامہ ممدوح خلد بریں کو تشریف لے گئے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین و تالیف اسلام کی آخری لیکن اہم و اقدم خدمت تھی جس میں مرحوم و مغفور دو تین سال سے منہمک تھے اور اس کی تکمیل کا آپ کو اس قدر شغف تھا کہ بیماری کے دنوں میں بھی آستانہ ء نبوت سے غیر حاضر رہنا گوارا نہیں کر سکتے تھے بلکہ اخیر وقت تک سیرت کی ناتمامی کا رنج و قلق اور اس کی تکمیل کی توصیہ آپ کی زبان پر تھی۔

سیرت نبوی کی ضرورت صرف تاریخی حیثیت سے ہی نہیں ہے بلکہ زیادہ تر عقاید کی حیثیت سے ہے۔ جدید تعلیم یافتہ گروہ کو اردو میں کوئی مستند سیرت نہیں ملتی تو وہ مجبوراً انگریزی کتابوں کا جو، اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، مطالعہ کرتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شائبہ شبہ نہیں کہ یہ کتابیں اغلاط واسقام اور تعصّبات سے مملو ہیں۔ کیوں کہ وہ ان مخالفین و معاندین کی لکھی ہوئی ہیں جو اسلام اور قرآن سے محض بیگانہ اور بالکل ناآشنا ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے سخت نقصان ہوتا ہے۔ قارئین کے عقاید متزلزل ہو جاتے ہیں اور اسلام اور داعیِ اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت ان کو سوء ظنی پیدا ہوتی ہے۔ علامہ مرحوم و مغفور نے اس ضرورت کو محسوس کر کے ادارہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائم کیا۔ جس کے واسطے ضروری کتبِ سیَر واحادیث بہم پہنچائیں اور دیگر تمام ضروریات کا تہیہ کیا اور خود ہمہ تن سیرت کی تدوین و ترتیب

میں مصروف ہو گئے۔ اس ادارہ کے مصارف تمام و کمال علیہ حضرت بیگم صاحبہ بھوپال اپنی معمولی فیاضی و کرم گستری سے ادا فرماتی ہیں۔ اللّٰھم متّع المسلمین بطول حیاتھا ۔ سیرت کا پہلا حصہ تو مکمل ہو گیا ہے اور غالباً زیر طبع ہے لیکن دوسرا حصہ ابھی ناتمام ہے اور اسی حصہ میں علامہ مغفور کی تحقیق و تدقیق اور علم و فضل کے جوہر کھلنے والے تھے، مگر نہایت رنج و حسرت کا مقام ہے کہ قوم کی بد قسمتی سے علامہ کو قبل از وقت داعی اجل کو لبیک اجابت کہنا پڑا اور مسلمانوں کی بے شمار آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔

اب سوال یہ ہے کہ سیرت کی تکمیل کیوں کر ہو سکتی ہے؟ بہ فحوائے تؤدو الأمانات إلیٰ أھلھا [۵۴]......اس بارِ امانت کے اٹھانے کے اہل مولانا السیّد سلیمان صاحب ندوی پروفیسر بڑودہ کالج ہیں جن کو خود علامہ مرحوم و مغفور وصیت فرما گئے ہیں کہ سب کام چھوڑ کر سیــــرت کی تکمیل کریں اس بنا پر قرعۂ فال سیّد صاحب کے نام ہی پڑتا ہے۔ سیّد صاحب میں کمال علم و فضل کے علاوہ بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ علامہ ہی کے رنگ میں رنگین ہیں جن اصحاب کو سیّد صاحب کے مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے جو الــنــدوہ اور دیگر رسائل و جرائد میں چھپتے رہے ہیں، وہ اس بات کا اعتراف کریں گے کہ سیّد صاحب کی تحریر و طرزِ استدلال بالکل علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے موافق و مطابق ہے۔ سیّد صاحب کو علامہ مرحوم و مغفور کی روحانی نبوت (کذا۔ ابنیت) کا فخر بھی حاصل ہے اور مثل مشہور ہے کہ ''اگر پدر نتواند پسر تمام کند'' اس بنا پر ہی یقیناً کافہ انام اہل اسلام کی توقع کہ مولانا السیّد سلیمان صاحب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل فرمائیں گے کسی دن واقعہ ثابت ہو گی۔ وماذالك علی اللّٰہ بعزیز

(نور الدین تاجر چرم از گوجرانوالہ) [۵۵]

....

وفد سیرت نبوی

ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کی خدمت میں

(اس تحریر پر مضمون نگار کا نام درج نہیں لیکن مطالب مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سید سلیمان ندوی صاحب کی تحریر ہے۔ زے میم عین)

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سے تمام ہندوستان متاثر تھا، ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال جن کی قومی محبت اور مذہبی جوش محتاج بیان نہیں ہے، بے حد متاثر ہوئیں۔ سیرت کے متعلق مولانا کا مشہور قطعہ تھا۔

غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل

(سیرت النبیؐ)

کہ ایک ان میں فقیر بے نوا ہے ایک ''سلطاں'' ہے

(مولانا شبلی)

بیگم صاحبہ نے بصد تحسّر فرمایا کہ ''فقیر بے نوا چل دیا سلطان بھی پابہ رکاب ہے''، بیگم صاحبہ سیرت نبوی کے مصارف ماہانہ کی مکفل تھیں، انھیں سب سے پہلے اس کی فکر ہوئی کہ آئندہ کے لیے کیا سامان ہوگا؟ اور اس کی دریافت کے لیے فوراً منشی محمد امین صاحب مہتمم صیغہ تاریخ بھوپال کو اعظم گڑھ روانہ کیا۔ یہاں آ کر مولانا نے اپنے آخری انفاس زندگی میں تکمیل سیرت نبوی کے لیے جو سامان کر دیا تھا، اس سے ان کو بھی اطمینان ہو گیا اور بغرض مزید اطمینان مولانا حمید الدین صاحب، سیّد سلیمان صاحب کو لے کر ۲/ نومبر کو خود بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھوپال روانہ ہوئے۔

۲۸/ نومبر کی صبح کو ساڑھے دس بجے ہر ہائینس بیگم صاحبہ نے وفد سے ملاقات فرمائی۔ اوّل مولانا ئے مرحوم کی وفات پر افسوس ظاہر کیا اور آئندہ کے لیے کام کے جاری رکھنے کی تاکید فرمائی۔ دوران گفتگو میں وفد سے مختلف مذہبی، قومی اور اصلاحی معاملات پر بحث فرماتی رہیں۔ تفسیرِ قرآن جو مولانا حمید الدین صاحب عربی میں لکھ رہے ہیں اور سیرت عائشہ ونساء الاسلام وغیرہ تصنیفات جو سیّد سلیمان کے زیر تالیف و نظر ہیں، ان کی تکمیل و ترجمہ انگریزی کا اشتیاق ظاہر کیا۔ دارالمصنفین اور دیگر تجاویز علمی کی امداد واعانت کے لیے متعدد بار تذکرہ فرمایا۔ سیرت نبوی کے اسٹاف کے لیے دو سو کی ماہانہ امداد جو بھوپال سے جاری تھی بدستور مدت باقیہ کے لیے سرکار عالیہ نے جاری رکھنا منظور فرمایا۔

دفتر سیرت نبوی شبلی منزل، اعظم گڑھ [۵۶]

....

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی مرحوم

(نوشتہ پروفیسر فیروز الدین مراد بی اے، ایم ایس سی)

علامہ شبلی کی بے وقت موت ایک اندوہ ناک قومی ماتم ہے۔ مرحوم کی وفات سے مسلمانانِ ہند ایک عالی شان دماغ، طرز جدید کے ایک قابل مصنف، اعلیٰ پایہ کے اسلامی مؤرخ اور محقق سے محروم رہ گئے ہیں۔ علامہ موصوف کا نعم البدل ملنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہمیں اس وقت آپ کی قومی خدمات اور علمی مساعی جمیلہ کا استحصاء کرنا مقصود نہیں ہے کیوں کہ مرحوم کی حینِ حیات ہی میں ایک عالَم ان کی کامیابی کا معترف اور حُسنِ کار گزاری کا مدّاح تھا۔

علامہ شبلی پرانی طرز کے ایک جید عالم اور با عمل بزرگ تھے۔ خداداد ذہانت اور علمی شغف کے علاوہ ایک نقاد طبیعت اور مجتہدانہ علمی مذاق پایا تھا۔ آپ کورانہ تقلید کے قائل نہیں تھے۔ آپ کی علمی کامیابی کا بڑا راز آپ کی اجتہادی تنقید، ان تھک محنت اور ایک نکتہ رس ذہن کی لگاتار کوششوں میں مضمر تھا۔ آپ

جیسے ایک بلند پایہ عالم کی موت حقیقی معنوں میں عربی مثل کے مطابق موت العالِم موت العالَم ایک جہاں کی موت ہے۔

آپ کا دماغ گونا گوں وجدانات علمی کا خزینہ تھا، نہ صرف اسلامی تاریخ اور علم کلام سے آپ کو دلچسپی تھی بلکہ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے عربی فارسی کے عالم تھے۔ بالخصوص فارسی علم، ادب اور نظم سے آپ کو بے انتہا الفت تھی اور ان پر کامل عبور تھا۔ نامناسب نہ ہو گا اگر ہم علامہ موصوف کی مختلف النوع تصانیف و تالیفات کا یہاں اجمالی ذکر کر دیں اور اس کے ساتھ ہی آپ کی سبق آموز زندگی کے مختصر سوانح بھی بیان کر دیں۔

۱۸۸۳میلادی میں جب کہ مدرستہ العلوم کی کالج کی جماعتوں میں صرف معدودے چند طلبہ پڑھتے تھے۔ مولانا شبلی، مولانا فاروق صاحب چڑیا کوٹی اور دیگر اساتذہ وقت سے فارغ التحصیل ہو کر علی گڑھ میں بعہدہ پروفیسری مقرر ہوئے، متواتر سولہ برس تک آپ نے کالج کی خدمت کی اور جب آپ نے کالج سے کنارہ کشی کی تو آپ ایک مستند عالم اور شہرہ آفاق مصنف تھے جن کی زبردست اور باترتیب تحریر کا جادو مسلمانانِ ہند کے دلوں کی تسخیر کر چکا تھا۔ ہمیں اس وقت ان واقعات کے اوپر جن کے باعث مولوی شبلی صاحب کو کالج سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی قلم اٹھانا مقصود نہیں ہے۔ کالج سے علیحدہ ہونے پر جیسا کہ ایک زمانہ جانتا ہے جو آپ نے اپنا سارا زور اور وقت ندوۃ العلما لکھنؤ کی تنظیم اور اصلاح میں صرف کیا لیکن افسوس ہے کہ آخری وقت میں ایسے تنازعات شروع ہو گئے جن کا صدمہ ایک حد تک مولانا کی ہلاکت کا باعث ہوا ہے۔ گو عمر طبعی اور صحت کی خرابی بھی جو کہ کئی سالوں سے نام نہاد کشمیر جنت نظیر کی سیر سے آئی ہوئی تھی علاوہ ان کے بھائی مسٹر محمد اسحاق بی اے کی بے وقت موت کا صدمہ ان کی فوری موت کے بواعث قرار دیے جا سکتے ہیں۔

سب سے پہلی تصنیف جو آپ نے دنیا کے سامنے پیش کی وہ رایل ہیروز آف اسلام کے مجوزہ سلسلہ کی پہلی شاندار کتاب المامون تھی لیکن اس سے پہلے ایک مختصر رسالہ بعنوان مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم ان کی شہرت کا ضامن ہو چکا تھا۔ یہ رسالہ مع دیگر اسی قسم کے اور مضامین کے رسائلِ شبلی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ کی تیسری تصنیف سیرت النعمان ہے جس میں آپ نے فقہ حنفی کی فضیلت زبردست دلائل اور براہین سے روزِ روشن کی طرح ثابت کر دکھائی ہو اور بتا دیا ہے کہ صرف یہی مذہب تمدن کے موافق ہے۔ نیز احادیث کے متعلق اصول درایت پر ایک عالمانہ تنقید لکھی ہے۔ اس کے بعد الفاروق شائع ہوئی جس کے متعلق کسی ریمارک کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس کی شہرت مولانا کی تمام تصانیف سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ الکلام ہر دو حصص اور الغزالی اسی نوعیت کی ممتاز تصانیف ہیں۔ سوانح مولانا روم تصوف کے میدان میں ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے جس میں شرح وبست کے ساتھ مثنوی مولانا روم کے اوپر ایک عالمانہ تبصرہ ہے۔ ہم ایک ایسی تصنیف کا تذکرہ کرتے ہیں جس کے متعلق مبصرین کی رائے

ہے کہ مولانا شبلی کی محنت رائیگاں اور اکارت گئی ہے اور جو بہتر تھا کہ مولانا شبلی نہ لکھتے۔ ہمارا مفہوم موازنہ انیس ودبیر سے ہے۔ نویں تصنیف شعرالعجم کی ضخیم چار جلدیں ہیں جس میں فارسی ادب پر نہایت جانفشانی سے مکمل بحث کی گئی ہے۔ سب سے اعلیٰ تصنیف علامہ مرحوم کی مجوزہ سیرت نبوی کی چار جلدیں ہوتیں اگر موت کازبردست ہاتھ انھیں ہمارے درمیان میں سے اچک کر نہ لے جاتا۔ سیرت نبوی کی چار جلدوں کے مضامین مختصراً یہ تھے۔ ایک جلد میں یورپی معترضین اور دوسری جلد میں سوانح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، تیسری جلد میں تبلیغِ رسالت کا مفصل ذکراور چوتھی میں قرآن کریم کے متعلق ایک مکمل بحث۔

علاوہ ان تصانیف کے مولانا کے محققانہ مضامین جو اس نادر رسالہ الندوہ میں تطبیق فلسفہ جدید وقدیم اور موازنۂ معقول ومنقول کی غرض سے شائع ہوتے رہے ہیں بجائے خود اپنے مصنف کے لیے ایک عمدہ یادگار ہیں جو صحیح علمی مذاق ان مضامین میں پایا جاتا ہے شاید ہی ہندوستان کے کسی دوسرے رسالہ میں نظر آسکے۔ ماسوائے ان مضامین کے مولانا کا فارسی اور اردو کلام فارسی اور اردو نظم میں ایک اعلیٰ رتبہ کا مستحق ہے۔ بوستان کی قسم کی چھوٹی چھوٹی نظموں کا سلسلہ جو تمام اردو جرائد اور اخبارات کے ذریعہ اشاعت پذیر ہو تارہا ہے اور جس سلسلہ کی آخری نظم مرحوم کی وفات سے دودن قبل الہلال میں شائع ہوئی تھی اپنی مثال آپ ہے۔

علامہ شبلی نے اردو زبان میں ایک نئی روح پھونک دی ہے اور آپ کی وفات سے مشکل یہ آن کر پڑی ہے کہ ان کے کام کو جاری رکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی خوش بختی سے اس میں ایک ایسا جیّد عالم موجود ہے کہ اگر ان کی توجہ اس کام کی طرف مبذول ہو جائے تو ہمیں یقین واثق ہے کہ وہ اس کام سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ ہماری مراد مولانا شبلی کے ہم عصر شمس العلما مولانا خلیل احمد صاحب ہیں جو علی گڑھ کالج اور مدرسہ کی خدمت گزشتہ پینتیس سال سے نہایت محنت اور جان فشانی سے کر رہے ہیں اور جن کا وجود میرے نزدیک علی گڑھ کالج کے لیے رحمت اور برکت کا باعث ہے۔ میں امید کرتا ہوں اور میری یہ امید بے جا نہ ہو گی کہ مولانا خلیل احمد صاحب ضرور دنیا کو اپنے تبحرِّ علمی اور وسیع معلوماتِ اسلامی سے مستفید فرمائیں گے اور جو خزانے آج تک ان کے سینہ میں محفوظ ہیں اب ان کو تشنگانِ علم کے فائدہ کے لیے عام کریں گے۔

زمیندار: علامہ شبلی کی کتاب موازنہ انیس و دبیر کی نسبت جو رائے اس مضمون میں ظاہر کی گئی ہے یہ وہی رائے ہے جو عہد قدیم میں کتاب الموازنہ میں ابی تمام والحبیب دبختری کی نسبت ظاہر کی گئی ہے لیکن یہ امر اہلِ فن سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ ادبیات عرب میں جیسا پایہ اس کتاب کا ہے وہی منزلت ادبیات اردو میں موازنہ انیس و دبیر کو بھی حاصل ہے۔ [۵۷]

حواشی:

۱۔ سیّد سلیمان ندوی (مرتب) مقالات شبلی۔ تنقیدی اعظم گڑھ: مطبع معارف ۱۹۵۶ء ص ص ۱۷۸۔۱۸۸
۲۔ ظفر احمد صدیقی (مرتب) شبلی ...... معاصرین کی نظر میں لکھنو: اتر پردیش اردو اکادمی ۲۰۰۵ء ص ص ۲۶۵۔۲۷۱
۳۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار مولانا ظفر علی خان حیات خدمات آثار لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۳ء ص ۱۲۴
اس سلسلے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے کتاب محولہ بالا کا چھٹا باب ''کرم آباد میں نظر بندی اور ستارۂ صبح کا اجرا ص ۱۲۲ و بعد
۴،۵۔ ایضاً
۶۔ روزنامہ زمیندار لاہور ۱۶/ جنوری ۱۹۱۱ء
۷۔ روزنامہ زمیندار لاہور پیمبر نمبر یوم جمعہ ۱۱/ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ۔ مطابق یکم/ مارچ ۱۹۱۲ء جلد ۳ نمبر ۸
۸۔ ایضاً
۹۔ ایضاً
۱۰۔ سید سلیمان ندوی حیات شبلی ص ۵۴۰
۱۱۔ مقالات شبلی ج ۸ ص ۳۲ یہ مضمون ضمیمے میں ملاحظہ فرمایئے
۱۲۔ القلم ٦٨: ۴
۱۳۔ احزاب ۳۳ : ۲۱
۱۴۔ اس شعر کی معروف قرات کے مطابق مصرعہ اولیٰ ع حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری...... ہے، یہاں غالباً زمانی ترتیب کے پیش نظر ید موسیٰ کو پہلے لایا گیا ہے شعر میں ایسے التزام کی بہ ظاہر کوئی ضرورت نہیں۔
۱۵۔ عن عائشه رضی الله عنها أنها قالت ذلك فی وصف النبی صلی الله علیه وسلم
فقد جاء فی حدیث طویل فی قصة سعد بن هشام بن عامر حین قدم المدینة ، وأتی عائشة رضی الله عنها یسألها عن بعض: المسائل ، فقال فقُلتُ: یا أم المومنین ! أنبیني عن خلق رسول الله صلی الله علیه وسلم ؟ قالت: ألست تقرا القرآن ؟ قُلتُ: بَلیٰ، قالت: فانَّ خُلقَ نبی اللهِ صلی الله علیه وسلم کان القرآن۔ رواه مسلم (746)
۱۶۔ بمعنی جس کے سپرد کوئی کام کیا گیا ہو۔ اردو میں عام طور سے اس طرح استعمال نہیں ہوتا۔
۱۷۔ روزنامہ زمیندار لاہور ۱۶/ جنوری ۱۹۱۱ء جلد ۲ نمبر ۳
۱۸۔ المواہب اللدنیه احمد بن محمد القسطلانی کی کتاب ہے، دلائل النبوة کے مولف ابونعیم الاصفہانی ہیں، کشف الشام فی شرح قواعد الاسلام محمد حسن الاصفہانی الفاضل الہندی کی تصنیف ہے۔
۱۹۔ روزنامہ زمیندار لاہور پیمبر نمبر یوم جمعہ ۱۱/ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ۔ مطابق یکم/ مارچ ۱۹۱۲ء جلد ۳ نمبر ۸
۲۰۔ خالد بزمی (مرتب) کریسنٹ شبلی نمبر لاہور: اسلامیہ کالج ریلوے روڈ جنوری ۱۹۷۱ء ص ص ۱۔۷

۲۱۔ افضل حق قرشی (مدیر) صحیفہ شبلی نمبر لاہور: مجلس ترقی ادب جولائی ۲۰۱۴ء تا دسمبر ۲۰۱۴ء شمارہ ۲۱۹-۲۱۸ ص ۶۳۹

۲۲۔ کریسنٹ محولہ بالا ص ۱

۲۳۔ یہ جملہ مِن: علمائے اسلام کا ہم کلام چھن گیا...... الخ صحیفہ کے متن سے غائب رہے۔

۲۴۔ مصری فاضل جرجی زیدان کی تحقیق پر شبلی کے نقد کا نام ہے

۲۵۔ کریسنٹ: انیس دبیر

۲۶۔ صحیفہ: ''ہم صرف شبلی کے ماتم دار فضائل نہیں ہیں''

۲۷۔ صحیفہ : متن سے عربی اشعار غائب ہیں صرف ترجمہ درج کیا گیا ہے

۲۸۔ مصنف نے یہاں سے مضمون کا دسرا حصہ شروع کیا جس کے نشان کے طور پر قوسین میں دو کا ہندسہ (۲) درج کیا گیا لیکن صحیفہ میں یہ نشان غائب ہے

۲۹۔ صحیفہ: کی

۳۰۔ صحیفہ: اس کی منتہا بھی ہو گئی

۳۱۔ کریسنٹ: کرخی و جنید کی بھی یہی ہوس تھی...... محذوف

۳۲۔ صحیفہ : صنعانی (کذا) مشارق الانوار امام رضی الدین حسن الصغانی کی مشہور تالیف ہے جو صدیوں تک ہندوستان کے مدارس میں حدیث کی واحد نصابی کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی، تفصیلی تعارف کے لیے دیکھیے ہمارا مضمون؛ صغانی کی مشارق الانوار ایک جائزہ در کتاب جہات لاہور: کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ، پنجاب یونی ورسٹی ۲۰۰۰ ص ۵۱-۶۸

۳۳۔ کریسنٹ: ملک العلما...... محذوف

۳۴۔ صحیفہ: بلگرامی...... محذوف

۳۵۔ البقرہ ۲:۱۵۶ صحیفہ: ''یعنی''محذوف

۳۶۔ مضمون نگار کی تقسیم کے مطابق یہاں سے مضمون کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے جس کے نشان کے طور پر یہاں قوسین میں تین کا ہندسہ (۳) لکھا گیا تھا مگر صحیفہ میں یہ نشان غائب ہے۔

۳۷۔ زوال اندلس کی مرثیہ خوانی ابو محمد عبدالمجید ابن عبدون الفہری نے کی ہے۔ اس مرثیے کی مختلف مشرقی و مغربی زبانوں میں شروح بھی لکھی گئی ہیں عبدالملک بن عبداللہ الحضرمی المعروف بہ ابن بدروں نے بھی اس کی ایک شرح لکھی ہے جس کی طرف علامہ اقبال کے اشعار میں اشارہ ملتا ہے

آسماں نے دولت غرناطہ جب برباد کی ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی

اس سے معاً پہلے شعر میں سقوط بغداد پر سعدی کی مرثیہ خوانی کا تذکرہ ہے

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر

کلیات اقبال اردو ص ۱۳۴ نظم: صقلیہ (جزیرۂ سسلی) لگے ہاتھوں بلبل شیراز کی نالہ کشی کا رنگ بھی دیکھ لیجیے

آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر امومنین

۳۸۔ کریسنٹ ہم اپنے فاضل دوست...... تا ،''وہ محسوس کرتے ہوں گے''...... محذوف

۳۹ لائق شاگرد نے استاد کا نا مکمل کام ہی مکمل نہیں کیا بلکہ نام ور استاد کی مبسوط سوانح حیات بھی لکھی ایک تازہ اشاعت کے لیے دیکھیے: حیات شبلی لاہور: بل ٹاک ۲۰۱۴ء

۴۰ النحل ۱۶:۱۲۰

۴۱ صحیفہ: ''یعنی'' محذوف

۴۲ روزنامہ زمیندار لاہور ۴/ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ / ۲۳/ نومبر ۱۹۱۴ء

۴۳ صحیفہ میں یہ عنوان غائب ہے

۴۴ صحیفہ میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہاں سے اداریے کی دوسری قسط شروع ہوتی ہے جو اگلے دن یعنی ۲۴/ نومبر ۱۹۱۴ء کو شائع ہوئی۔

۴۵ درست نام ٹامس ڈبلیو آرنلڈ T.W.Arnold موخر الذکر کتاب کا نام دعوت الاسلام ہے جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے اشاعت اسلام کے نام سے کیا ہے۔

۴۶ صحیفہ میں یہاں سے چوتھے حصے کے آخر تک کا مضمون دوبار شائع ہو گیا ہے۔

۴۷ صحیفہ: محاریات (کذا)

۴۸ صحیفہ: اس (کذا)

۴۹ صحیفہ: ز

۵۰ روزنامہ زمیندار لاہور ۵/ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ / ۲۴/ نومبر ۱۹۱۴ء

۵۱ روزنامہ زمیندار لاہور ۱۲/ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ بمطابق یکم دسمبر ۱۹۱۴ء جلد ۴ نمبر ۲۴۴

۵۲ روزنامہ زمیندار لاہور یوم جمعہ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۳ ہجری مصادف ۱۹ مگھر سمت ۱۹۷۱ بکرمی مطابق ۴/ دسمبر ۱۹۱۴ء موافق ۳۰/ دے ۱۳۲۴ ف جلد ۴ نمبر ۲۴۷

۵۳ روزنامہ زمیندار لاہور ۲۱/ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۰/ دسمبر ۱۹۱۴ء جلد ۴ نمبر ۲۵۲

۵۴ النسا ۴:۸۵

۵۵ روزنامہ زمیندار لاہور ۲۱/ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۰/ دسمبر ۱۹۱۴ء جلد ۴ نمبر ۲۵۲

۵۶ روزنامہ زمیندار ۲۴/ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۳/ دسمبر ۱۹۱۴ء جلد ۴ نمبر ۲۵۴

۵۷ روزنامہ زمیندار لاہور یوم یکشنبہ ۲/ صفر المظفر ۱۳۳۳ھ مصادف ۶ پوہ ۱۹۷۱ بکرمی مطابق ۲۰/ دسمبر ۱۹۱۴ء موافق ۷ ابہمن ۱۳۲۴ ف جلد ۴ نمبر ۲۶۰ ص ۵